ملّتِ اِسلامیّہ کا عِلمی اور اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

مُحدّث

لاہور پاکستان

مُدیر اعلیٰ

ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی

400 | اگست 2025

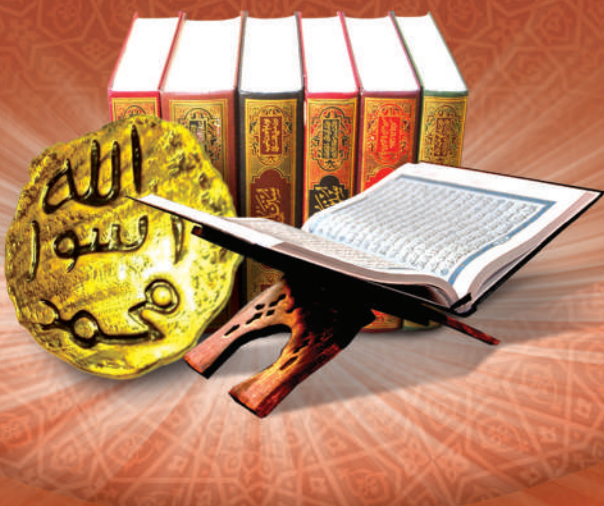

مجلس التحقیق الاسلامی

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL PAKISTAN

جامعة لاهور الاسلامية

جامعۃ لاہور الاسلامیۃ

کے شعبہ

المعهد العالي للعلوم الاجتماعية

بیاد

مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ

شیخ التفسیر حافظ محمد حسین روپڑی رحمہ اللہ

لاہور انسٹیٹوٹ فار سوشل سائنسز

Lahore Institute For Social Sciences

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے الحاق شدہ

درس نظامی + 4 سالہ بی ایس اسلامک سٹڈیز

ریگولر کلاسز کا آغاز (برائے طلباء و طالبات)

مصروف طلبہ کیلئے Evening کلاسز کی سہولت۔

عالیہ/بی اے کی سند کے حاملین کے لیے ڈائریکٹ 5th سمیسٹر میں داخلہ جاری ہے۔

اہلیت : F.A, ICS, F.SC یا کسی بھی وفاق سے ثانویہ خاصہ کیا ہو۔

کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے جدید دنیا کے تقاضوں سے ہم آہنگ رہتے ہوئے قرآن وسنت کے حقیقی علم سے بھی بہرہ ور ہوں، تو آیئے جامعہ لاہور الاسلامیہ نے اس خواب کو حقیقت بنانے کے لیے ایک نئے شاندار تعلیمی نظام کو متعارف کروایا ہے، جہاں درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ B.S اسلامک سٹڈیز ریگولر کلاسز کی معیاری تعلیم دی جا رہی ہے۔

اب آپ کے بچے دین ودنیا کی کامیابی کے لیے مضبوط علمی بنیاد حاصل کرسکتے ہیں .

خصوصیات

- تعلیم کے ساتھ بہترین تربیت، تاکہ علم کے ساتھ کردار بھی سنورے
- درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ جدید عصری تعلیم کا حسین امتزاج
- بی ایس کی ڈگری، جو تعلیمی وپیشہ ورانہ ترقی میں معاون ثابت ہو
- عربی زبان میں مہارت کے لیے خصوصی توجہ
- قرآن وحدیث کا گہرا فہم اور فقہی بصیرت
- آرام دہ اور پرسکون تعلیمی ماحول
- پانچ کنال پر مشتمل شاندار بلڈنگ
- غیر نصابی سرگرمیاں

شرائط داخلہ

- ریگولر بی ایس (اسلامیات) میں داخلہ کے لئے ایف اے پاس ہونا ضروری جبکہ ثانویہ عامہ یا میٹرک پاس طلباء کے لیے 6 سالہ درس نظامی + ریگولر بی ایس
- داخلہ تحریری وتقریری ٹیسٹ کی بنیاد پر ہوگا
- داخلے کے وقت والد / سرپرست کی موجودگی لازمی ہے
- رجسٹریشن فیس: 500 روپے (آن لائن فارم کے ساتھ جمع کروانا لازمی)
- رجسٹریشن کے لیے درج ذیل معلومات دیے گئے نمبرز پر واٹس ایپ کریں :
  نام / ولدیت / سابقہ تعلیمی قابلیت / مکمل پتہ / رابطہ نمبر

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں

0305-4466182

0302-0959933

الداعی

ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی

رئیس جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ)

والمعهد العالي للعلوم الاجتماعية (LISS)

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

مُحدّث
لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی

مدیر منتظم: ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی — مدیر: ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

جلد 56 — اگست 2025ء / صفر ۱۴۴۷ھ — عدد 04

مجلس مشاورت

▪ مولانا ارشاد الحق اثری ▪ حافظ ثناء اللہ زاہدی ▪ حافظ مسعود عالم ▪ حافظ محمد شریف
▪ حافظ عبد الستار حماد ▪ ڈاکٹر حافظ حسن مدنی ▪ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد ▪ حافظ محمد امین محمدی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	مصنف	زمرہ
4	ایران و شام پر اسرائیلی حملے اور ابراہیم کارڈ!	اداریہ	فکر و نظر
7	خلع لینے والی عورت حق مہر کی مستحق؟	ابو بکر قدوسی	فکر و نظر
11	شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری)	ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی	عقائد اہل سنت
18	غیر مسلم ممالک میں تعلیم کے لیے جانے کا حکم!	حافظ حبیب الرحمن مدنی	احکام و مسائل
25	ناموس صحابہ کرام واہل بیت عظام	علماء اہل حدیث کا متفقہ اعلامیہ	احکام و مسائل
30	اٹھارہ سال سے پہلے نکاح؛ ریاستی اور اسلامی قانون کی نظر میں	ڈاکٹر حافظ محمد زبیر	فقہ و اجتہاد
39	نماز میں مختلف قراءات پڑھنے کا مسئلہ	ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی	فقہ و اجتہاد
47	رسولِ اکرم ﷺ کی چار بیٹیاں	ابو الحسن مفتی مبشر احمد ربانی ﷫	تحقیق و تنقید
56	مولانا امین احسن اصلاحی کے فکری تضادات و تناقضات	پروفیسر محمد رفیق	تحقیق و تنقید

مدیر معاون
عبد الرحمن عزیز
0308-4131740

مینیجر
محمد اصغر
0305-4600861

زرِ سالانہ =/600 روپے
فی شمارہ =/100 روپے

بیرون ملک
زرِ سالانہ =/30 ڈالر
فی شمارہ =/5 ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No: 984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700
042-35866396, 35866476
Email:
Mohaddislhr@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore.

Islamic Research Council

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں!

ایران وشام پر اسرائیلی حملے اور ابراہیم کارڈ!

امت مسلمہ اگر جسم ہے تو مشرق وسطی اس جسد امت کا دل ہے۔ جو اہمیت انسانی جسم میں دل کو حاصل ہے، وہی حیثیت مسلم امہ کے ماضی اور حال میں مشرق وسطیٰ کی ہے۔ قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور تاریخی تناظر میں مشرق وسطیٰ میں بالخصوص ارض شام کو، جسے ارض رباط بھی کہا جاتا ہے، اسے ایک الگ، منفرد، بلند اور ممتاز مقام حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا سفر معراج ہو، قرآن میں بے شمار مقامات پر اس ارض مقدس کے تذکرے ہوں، انبیاء علیہم السلام کا اس سرزمیں سے متعلق ہونا ہو، اس سرزمیں کا مسلم امہ کا قبلہ اول ہونا ہو یا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں اس خطے کا مسلم قلمرو میں شامل و داخل ہونا ہو، یہ ساری چیزیں اور پھر قرب قیامت کے احوال میں اس سرزمیں کی خصوصی حیثیت ہو، یہ سب بتاتے ہیں کہ یہ خطہ زمیں مسلم امہ کے لیے دل کی حیثیت و اہمیت رکھتا ہے، دین و شریعت کے اعتبار سے بھی، تاریخی اعتبار سے بھی اور تہذیبی و جذباتی اعتبار سے بھی۔

ایک لمبے عرصے سے اور خصوصاً ان دنوں امت مسلمہ کا یہ دل آئی سی یو میں پڑا ہے اور اس کی تشویشناک حالت سے ہر مسلمان کا دل دھک دھک کر رہا ہے۔ اس مسئلے میں تازہ شدت حماس کے اسرائیل پر حملے کے وقت آئی۔ یہ حملہ ایک ایسے وقت میں ہوا جب عرب ریاستیں فلسطین کے کسی مجوزہ حل کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ یہ حل امت مسلمہ کی امنگوں سے کتنا ہم آہنگ تھا اور کتنا نہیں، اس سے قطع نظر اس حملے سے وہ سارا بندوبست وقتی طور پر ختم ہو گیا، اس بارے میں خود حماس کا کہنا یہ تھا کہ ہم کوئی ایسا سمجھوتہ سبوتاژ کرنا اپنی فتح سمجھتے ہیں، جس میں ہم بطور فریق شریک نہ ہوں۔ اس وقت امت میں دو طرح کی سوچ پائی جاتی تھی۔ ایک وہ جو فلسطین میں اپنے بھائیوں کی بھوک، ان پر برستا بارود اور ان کی تلپٹ زندگی دیکھ کر اس حملے پر تنقید کر رہے تھے کہ تم لوگوں نے امن اور سکون کی ایک کوشش کو تلپٹ کر دیا ہے، دوسری طرف وہ آئیڈیلسٹ لوگ تھے، جو کہتے تھے کہ بہت اچھا ہوا، جو یہ معاہدہ نہ ہو سکا۔ اس موقع پر البتہ کچھ چیزیں ضرور واضح ہوئیں۔ پتہ چلا کہ ہمارے دانش وروں نے اسرائیل کے قطعی ناقابل تسخیر ہونے کا جو ہوا باندھ رکھا تھا، اسرائیل ویسا

ناقابل تسخیر بہرحال ثابت نہیں ہوا۔ یہ الگ بات کہ یہ نتیجہ حاصل کرنے کا نتیجہ بھی اہل غزہ کے حق میں کچھ زیادہ اچھا نہیں نکلا۔ اسرائیل زخمی سانپ کی طرح اہل غزہ پر پل پڑا، انہوں نے بہرحال اپنی عزیمت اور صبر واستقامت سے قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی۔

اسی دوران شام کے حالات بدلے اور بشارالاسد کے جبر اور جنونیت کو توڑنے میں احمد الشرع کامیاب ہوا، یہاں ایک طرف اہل سنت کے جیلوں سے نکلنے کی خوشی منائی گئی تو دوسری طرف اسرائیل کے گرد ایرانی پراکسیز کے کمزور ہونے کی بات بھی کی گئی۔ جن کے ستم کا اہل سنت بھی کچھ کم شکار نہ تھے۔ حالات کے بہاؤ کے اس سلسلے میں ایک اہم موڑ تب سامنے آتا ہے، جب اسرائیل ایران پر حملہ کر دیتا ہے۔ یہ حملہ اس ساری سوچ کے لیے حیران کن تھا، جو اسرائیل اور ایران کو اندر سے ایک بتایا کرتے تھے۔ اسرائیل نے پہلے ہی حملے میں ایران کو چاروں شانے چت کر دیا۔ ایران کے اندر تک گھسے ہوئے اسرائیلی ایجنٹوں اور ان کے بنائے ہوئے خفیہ اڈوں سے کئے گئے حملوں نے اعلیٰ سطحی ایرانی شخصیات اور اہم ترین مقامات کو روند کے رکھ دیا۔ ایران نے سنبھالا لیا اور جوابی وار کر کے اسرائیل کی قائم کردہ متھ توڑنے میں حماس کے اعداد وشمار میں اضافہ کر دیا۔ ایران اسرائیل کا ویسا نقصان تو نہ کر سکا، جیسا اسرائیل نے ایران کا کیا، مگر وہ اسرائیل کی فضائی حدود میں شگاف ڈال کر اس کی اہم تنصیبات کو نشانہ بنانے میں ضرور کامیاب ہو گیا۔

اس موقع پر عرب ممالک خصوصاً سعودی عرب کا کردار بہت منفرد ہو کر سامنے آیا۔ سعودی عرب نے ایرانی زائرین حج (جن کے لیے ایران کی فضائی حدود بند ہونے کے سبب واپس آنا مشکل ہو رہا تھا) کو شاہی مہمان قرار دیا جب تک ایرانی فضائی حدود کھل نہیں جاتیں۔ اس کے علاوہ ایران پر اسرائیلی حملے کی مذمت کی اور عالمی برادری کو اس جنگ کے رکوانے میں بیدار اور متحرک کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ بیچ میں ایران کے عرب ممالک میں موجود امریکی عسکری اڈوں پر حملوں سے کئی سوالات بھی پیدا ہوئے۔ خصوصاً ٹرمپ کے یہ کہنے سے کہ یہ سارے حملے ایران نے ہمیں اعتماد میں لیکر کیے اور اس بات سے بھی کہ امریکی بی باون طیاروں کے ذریعے بنکر بسٹر بموں سے ایرانی ایٹمی گھروں پر حملوں کی متضاد اطلاعات پر بھی سوالات اٹھے۔ لیکن اس سب کے باوجود عرب ایران یا سعودی ایران معاملات بگڑنے کے بجائے سنبھل گئے۔

اس نئے تناظر میں اگر سوال کیا جائے کہ امت مسلمہ نے کیا حاصل کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ کہ ان کٹھن حالات کے باوجود ایران سعودیہ تعلقات نہ صرف قائم رہے بلکہ ان میں بہتری آئی۔ اسرائیل کے ناقابل شکست ہونے کا نظریہ رسوا ہوا۔ دنیا بھر میں اسرائیل کی جارحیت کی مذمت ہوئی۔ سوال اب یہ ہے کہ کیا اس

اتحاد و اتفاق سے امت مسلمہ اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف یکسو ہو سکتی ہے، کیا واقعی باہم ایسا اعتماد قائم ہو چکا کہ باہمی چپقلش سے بے نیاز ہو اجا سکے؟ یہ سوالات بڑے اہم ہیں۔

ان حالات کے بعد بات ایک دفعہ پھر ابراہام کارڈ کے گرد گھومنے لگی ہے، ابراہام اکارڈ کا بیج دو ہزار سترہ میں بویا گیا تھا، جب ٹرمپ کے پہلے دور صدارت میں اس نے اپنے یہودی داماد جیرڈ کشنر کو اپنا مشیر بنایا اور اس کی مشرق وسطی میں امن قائم کرنے کا لائحہ عمل مرتب کرنے کی ذمے داری لگائی۔ جیرڈ کشنر نے اس پر مشرق وسطی میں ملاقاتیں کیں، ایک معاہدہ تیار کیا، جس میں دو الگ الگ ریاستوں کا مجوزہ فارمولہ دیا گیا۔ جس کے تحت پچاس ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کا اعلان ہوا، جو اسرائیل اور فلسطین میں ہونا تھی۔ اس کے مطابق اسرائیل سڑسٹھ کی حدود میں چلا جائے گا، فلسطین ایک ایسی آزاد ریاست ہو گی، جس میں مغربی کنارے اور غزہ کا اسرائیلی علاقے سے زیر زمین تیس کلومیٹر سرنگ سے باہم رابطہ ہو گا، تاکہ اسرائیل کو سطح زمین پر فلسطینیوں کے گزرنے کے لیے چوکیاں نہ بنانی پڑیں۔ فلسطین نہ اسلحہ رکھ سکے گا، نہ فوج رکھ سکے گا اور نہ کسی ملک یا اس کی خفیہ ایجنسی سے دفاعی معاہدہ کر سکے گا۔ جب بھی کوئی چیز اسرائیل اپنی سلامتی کیخلاف پائے گا، اس پر حملہ کر دے گا۔ پولیس یا کوئی بھی مسلح فورس اسرائیل کی مرضی سے بن سکے گی۔ بیت المقدس یعنی یروشلم تینوں مذاہب کے ماننے والوں کے لیے کھلا شہر ہو گا۔ فلسطین اپنا دار الحکومت ارض مقدس کے مشرقی جانب بنائے گا، جس کا نام القدس رکھے یا کوئی اور اسے آزادی ہو گی، امریکا بھی اپنا سفارت خانہ اسی جگہ کھولے گا۔ فلسطین کو اسرائیل سے لڑنے اور شہید ہونے والے تمام افراد سے اظہار لاتعلقی کرنا اور انہیں دہشت گرد ماننا ہو گا۔ اسرائیل سے دو ریاستی مذاکرات میں کوئی ایسا شخص شامل نہ ہو گا جو اسرائیل کے خلاف عسکریت پسندی میں مصروف رہا ہو۔ فلسطین کو دہشتگردی کے خلاف ہونے کا اور دہشت گردوں کو روکنے کا معاہدہ لکھ کر دینا ہو گا۔ یہ معاہدہ ہو جاتا ہے تو امریکہ عالمی برادری سے مل کر فلسطین کی تعمیر و ترقی کرے گا۔

اس سارے تناظر میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا امت مسلمہ ان شرائط پر دو ریاستی حل قبول کرنے کو تیار ہو سکتی ہے کیونکہ یہ تو اسرائیل کی کامل غلامی ہے۔ بالفرض اس غلامی کو قبول کرنے کا اگر کوئی مشورہ دیتا بھی ہے تو اس بات کی گارنٹی کون دے گا کہ اسرائیل اپنی سرشت بدل لے گا، وہ بین الاقوامی اصولوں کی پابندی کرے گا؟ اس نے ایران پر حملہ کیا اور شام کی سرحدیں روند ڈالی ہیں، اس پر امریکہ، مسلم امہ یا عالمی برادری نے پہلے کب اس کا ہاتھ پکڑا یا راستہ روکا ہے، جو اس کے بعد روک لے گا؟

(حافظ یوسف سراج)

خلع لینے والی عورت حق مہر کی مستحق؟

ابو بکر قدوسی

پچھلے دنوں اخبارات میں خبر چھپی ہے کہ "لاہور ہائیکورٹ نے خلع لینے والی خاتون کو بھی حق مہر کا مستحق قرار دے دیا ہے"۔ اس کی تفصیل جو اخبارات میں شائع ہوئی وہ کچھ یوں ہے کہ لاہور ہائیکورٹ میں شہری آصف محمود نے ایک درخواست دائر کی تھی جس میں خلع کی بنیاد پر حق مہر اور جہیز کی رقم دینے کی ڈگری کو چیلنج کیا گیا تھا۔ جسٹس راحیل کامران شیخ نے اس کا فیصلہ کرتے ہوئے لکھا کہ بیٹی کو جہیز دینا ہمارے معاشرے میں سرایت کر چکا ہے۔ والدین جتنی بھی استطاعت رکھتے ہوں وہ بیٹی کو جہیز لازمی دیتے ہیں۔ طلاق دینا بنیادی طور پر شوہر کا حق ہوتا ہے اور طلاق کی صورت میں شوہر حق مہر اور تحائف کی واپسی کا تقاضا کرنے کے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ طلاق دینے کی صورت میں سورۃ النساء میں بھی شوہر کو بیوی کو دیے گئے مال اور تحائف واپس مانگنے سے روکا گیا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے تحت خاوند کے تشدد، برے رویے وغیرہ کی بنیاد پر لیے گئے خلع کے بعد عدالت حق مہر کی رقم واپس نہ کرنے کا حکم دے سکتی ہے۔ عدالت نے قرار دیا کہ محض خلع لینے کی بنیاد پر خاتون کو حق مہر کی رقم سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ حق مہر کی رقم کو خاتون کے لیے ایک سکیورٹی تصور کیا جاتا ہے، اگر خاوند کا رویہ خاتون کو خلع لینے پر مجبور کرے تو وہ حق مہر لینے کی مکمل حق دار ہے۔

عدالت کی یہ رولنگ شرعی قوانین کے تناظر میں محل نظر ہے، بلاشبہ اسلام دین فطرت ہے۔ اس میں انسانی زندگی میں پیش آمدہ مسائل کا وہ حل موجود ہے کہ جو فطرت کے عین ہم آہنگ ہے۔ عائلی قوانین میں بھی اسلام تمام مسائل کا بہترین حل فراہم کرتا ہے گو ہماری کمزوری اور نفسانی اغراض ہیں کہ ان سے اعراض کرتے ہیں اور نتیجتاً اپنی زندگیوں کو مشکل بنا چھوڑتے ہیں۔

نکاح دراصل مرد و زن کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے جس کے تحت عورت مرد کو اپنی خدمات پیش کرتی ہے اور مرد اس کے بدلے میں فی الوقت مہر دیتا ہے اور زندگی بھر کا خرچہ اٹھانے کا عہد کرتا ہے۔ اب جدائی کا اصول یہ ہے کہ اگر مرد اس معاہدے کو توڑتا ہے تو مہر عورت کا حق ہو گا کیونکہ وہ اپنے عہد پر کاربند رہنے کو تیار ہے۔ اس کے برعکس اگر مرد اس معاہدے کو برقرار رکھنا چاہتا ہے لیکن عورت اس سے نکلنا چاہتی تو وہ مہر کی

رقم مرد کو واپس دے گی۔ یہ بالکل سادہ عقلی اور فطری اصول ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے۔
قرآن کریم میں ارشادِ گرامی ہے:
﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـًٔا اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ﴾ [البقرة: ۲۲۹]
”طلاق [رجعی] دو مرتبہ ہے، پھر یا تو سیدھی طرح سے اپنے پاس رکھا جائے یا بھلے طریقے سے اسے رخصت کر دیا جائے اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ الا یہ کہ دونوں میاں بیوی اس بات سے ڈرتے ہوں کہ وہ اللہ کی حدود کی پابندی نہ کر سکیں گے۔ ہاں اگر تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ وہ اللہ کی حدود کی پابندی نہ کر سکیں گے تو پھر عورت فدیہ دے کر [طلاق حاصل کر لے]۔“
دوسری جگہ طلاق کی صورت میں حق مہر کا اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا:
﴿ لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمۡ تَمَسُّوۡهُنَّ اَوۡ تَفۡرِضُوۡا لَهُنَّ فَرِيۡضَةً ‌ۖۚ وَّمَتِّعُوۡهُنَّ عَلَى الۡمُوۡسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الۡمُقۡتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا ۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ ۚ حَقًّا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ‌ ؕ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ﴾ [البقرة: ۲۳۶، ۲۳۷]
”اگر تم ایسی عورتوں کو طلاق دے دو جنہیں نہ تم نے ہاتھ لگایا ہو اور نہ ہی حق مہر مقرر کیا ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ البتہ انہیں کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرو۔ وسعت والا اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق انہیں بھلے طریقے سے رخصت کرے۔ یہ نیک آدمیوں پر حق ہے۔ اور اگر انہیں تم ہاتھ لگانے سے پیشتر طلاق دو مگر ان کا حق مہر مقرر ہو چکا ہو تو طے شدہ حق مہر کا نصف ادا کرنا ہو گا الا یہ کہ وہ عورتیں از خود معاف کر دیں یا وہ مرد جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے۔ فراخ دلی سے کام لے (اور پورا مہر دے دے) اور اگر تم درگزر کرو (یعنی پورے کا پورا حق مہر دے دو) تو یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔“
سورۂ بقرہ میں مندرج آیات میں واضح ہے کہ طلاق کی صورت میں مہر کی حقدار عورت ہے۔
سورۃ النساء میں اسے مزید واضح کر دیا (اس آیت کا حوالہ عدالت نے اپنے فیصلے میں بھی دیا ہے)، فرمایا:

﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝٢٠ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝٢١﴾ [النساء: ۲۰ – ۲۱]

"اور اگر تم ایک بیوی (کو چھوڑ کر اس) کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو اور تو تم نے اسے خواہ ڈھیر سا مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم اس پر بہتان لگا کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر اس سے مال لینا چاہتے ہو؟ اور تم لے بھی کیسے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پکتہ عہد لے چکی ہیں۔"

اس مسئلہ میں علماء امت میں اتفاق ہے کہ طلاق میں مہر کی حقدار عورت اور خلع میں مہر کا مستحق مرد ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ معزز عدالت نے امت کے چودہ سو سالہ متفقہ مسئلے میں نقب زنی کی کوشش کیوں کی ہے اور طلاق سے متعلق آیت کو خلع کے کیس میں کیوں دلیل بنایا ہے۔ جبکہ یہ آیت اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے، اس میں طلاق دینے والے مردوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ طلاق دینے کی صورت میں دیا ہوا مہر واپس نہیں لے سکتے، اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کا یہ عمل ظلم ہوگا۔ اس آیت میں ہرگز نہیں کہا گیا کہ خلع کا مطالبہ کرنے والی عورت سے مرد اپنا مال واپس طلب نہیں کر سکتا۔

دور نبوی میں خلع کا صرف ایک واقعہ پیش آیا اور اس میں بھی مذکورہ مسئلہ بالکل واضح ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! مجھے ان کے دین و اخلاق پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن مجھے اسلام میں کفر کا خوف ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت سنی تو فرمایا: "اس کا باغ واپس کرتی ہو جو اس نے تجھے مہر میں دیا تھا؟ اس نے مان لیا تو آپ نے ثابت کو حکم دیا کہ: "باغ لے لو اور اسے طلاق دے کر الگ کر دو[1]۔"

عدالت کا یہ کہنا کہ "خاوند کا برا رویہ عورت کو خلع لینے پر مجبور کرتا ہے اس لیے وہ حق مہر کی رقم واپس کرنے کی پابند نہیں یا وہ حق مہر طلب کر سکتی ہے" شریعت اور تجربہ کے خلاف ہے۔ طلاق یا ہمیشہ اختلاف، انتشار اور آپسی منفی رویوں کے تحت ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خلع کی وجہ سے ہمیشہ مرد کا برا رویہ ہی ہوتا ہے۔ خلع کا مطالبہ کرنے میں عورت کی ذاتی وجوہات بھی ہو سکتی ہیں، جیسا کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی

۱ صحیح بخاری: ۵۲۷۳

بیوی نے خاوند کے برے رویے کی شکایت کیے بغیر خلع کا مطالبہ کیا۔ اس لیے عدالت کا یہ کہنا کہ خلع کی واحد وجہ مرد کا برا رویہ ہی ہوتا ہے، عقل، نقل اور تجربہ کے خلاف ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے معاشرے میں ایسا ہوتا ہے کہ مرد عورت کو رکھنا نہیں چاہتا لیکن حق مہر ضبط ہونے کے ڈر سے طلاق دینے کی بجائے عورت سے برا رویہ اختیار کرتا ہے تا کہ وہ مجبور ہو کر خلع کا مطالبہ کرے۔ مرد کے اس ظلم کا تعلق اس کے نامہ اعمال سے ہے۔ قانون کے فیصلے ظاہر کے مطابق کیے جاتے ہیں، نیتیں نہیں دیکھی جاتیں۔ ہاں! تحقیق سے اگر مرد کا عورت پر ظلم کرنا ثابت ہو جائے تو عدالت اسے سزا دے سکتی ہے، لیکن یہ فیصلہ کرنا کہ ہر خلع مرد کے برے رویے کی وجہ سے ہوتا ہے اس لیے خلع کی صورت میں وہ مہر واپس لے سکتا ہے قطعاً درست نہیں۔

اب اگر عدالت کی اس رولنگ اور فیصلے کو دیکھا جائے تو ہمارا عدالت سے سوال ہے کہ:

"اگر کوئی عورت انتہائی بد خلق ہے اور اپنے شوہر کی زندگی عذاب بنا رہی ہے اور خاوند اس کو طلاق دے دیتا ہے تو بھی اس مرد کو حق مہر دینا ہو گا؟؟۔"

اب اگر عدالت کا فراہم کردہ یہ "مظلوم عورت کارڈ" عورت کو تحفظ دے سکتا ہے تو یہاں پر عدالت اس مرد کا تحفظ کیسے کرے گی۔۔؟

عدالت کے موجودہ فیصلے اور رولنگ کے مطابق تو یہ اصول بنتا ہے کہ مرد عورت کی بد خلقی کا الزام لگا کر طلاق دے تو پھر مرد کو مہر واپس ملنا چاہئے تا کہ اس کی اشک شوئی ہو سکے۔ اگر عورت مرد کے ظلم کے سبب خلع کا مطالبہ کرے تو مہر عورت کو ملنا چاہیے تا کہ اسے ظلم کا کچھ بدل مل سکے۔ لیکن یہ خالق کائنات کے قانون کو بالکل توڑ دینے والی بات ہے۔

ہمارا معزز عدالت سے کہنا ہے کہ آپ جس منصب پر بیٹھے ہیں وہاں پر جذبات نہیں اصول دیکھے جاتے ہیں۔ آپ اگر ایک کیس کا فیصلہ جذبات کی بنیاد پر کرتے ہیں تو وہ فیصلہ آئندہ آنے والے مقدمات میں ایک نظیر کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اور اس بنیاد پر آنے والے دور میں کئی مقدمات کے فیصلے نادرست ہو سکتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں بعض حوالوں سے عورت مظلوم ہے۔ اس کا تحفظ عدالت کی ذمہ داری ہے، لیکن اس کو بنیاد بنا کر قرآن وسنت کے قوانین کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ اس ذات کے وضع کردہ قوانین ہیں جو ان انسانوں کا تخلیق کار ہے۔ خالق اپنی تخلیق کی خوبیوں، خامیوں اور ضروریات سے زیادہ آگاہ ہے۔ عورت کی مظلومیت کے نام پر طے شدہ قوانین کو تبدیل کرنے کی جو روش چل نکلی ہے وہ قطعاً درست نہیں۔

شرح کتاب التوحید (صحیح بخاری) قسط(۱۱)

افادات: ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی
ترتیب: حافظ عبدالرحمن عزیز

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ﴾[الأنعام: ٧٣]

باب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”اور وہی ذات ہے جس نے آسمان اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔“

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ اس حوالے سے شارحین کے مختلف موقف ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب سے اشارہ کیا ہے کہ آیت میں مذکور (بِالْحَقِّ) سے مراد کلمہ حق ہے اور وہ لفظ (کُن) ہے۔ اسی طرح جو پہلی حدیث میں (قَوْلُكَ الحَقُّ) ہے، اس میں اشارہ ہے کہ قول سے مراد کلمہ ہے، اور وہ کُن ہے، واللہ اعلم۔ ابن التین نے الداودی سے نقل کیا ہے کہ ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ میں جو 'با' ہے، وہ لام کے معنیٰ میں ہے، (لأجل الحق) یعنی آسمان وزمین کی تخلیق (اثبات) حق کے لیے ہے۔ اور ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہاں ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ سے مراد ھزل یعنی آسمان وزمین کی تخلیق کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں الحق سے مراد ایسی ثابت ذات جسے زوال اور تغییر نہیں ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اسماء حسنی میں الحق سے مراد ایسا موجد ہے جس کی ایجاد حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ ہر ایک کا فعل جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہو، حق ہے۔ اعتقاد پر اس کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب وہ نفس الامر میں اس کے مطابق ہو جس پر چیز دلالت کرتی ہے اور فعل واقع پر اس کا اطلاق تب ہوگا جب وہ پروگرام اور زمانے کے اعتبار سے درست اور مکمل ہو، اسی طرح قول پر بھی اس لفظ کا اطلاق اس وقت ہوگا جب وہ درستی اور زمانے کے مطابق ہو، اس کے علاوہ واجب، لازم، ثابت اور جائز چیز پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے[۱]۔“

---

۱ فتح الباری: ۱۴/ ۳۱۷

المختصر! یہاں پر حق سے مراد تین مفہوم ہیں:

① اللہ کی ذات

② کلمہ کن

③ ثابت شدہ حقیقت

اور یہ تینوں معانی درست بھی ہیں اور مقصود بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن سیاق وسباق سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کا مقصود یہاں اللہ تعالیٰ کی صفتِ قول کو ثابت کرنا ہے، جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حق ہے

اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام حق ہے۔ حق کا معنیٰ ہے ہمیشہ قائم رہنے والا، باقی رہنے والا ہے جسے فنا نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اسم صفت کے طور پر یہ نام بہت سارے مقامات پر وارد ہوا ہے۔

﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ [طه: ١١٤]

"پس اللہ بادشاہ حقیقی ہی بلند شان والا ہے۔"

﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ؀﴾ [الأنعام: ٦٢]

"پھر ان روحوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جاتا ہے جو ان کا حقیقی مالک ہے۔ (سن لو!) فیصلہ کرنے کے جملہ اختیارات اسی کے پاس ہیں اور اسے حساب لینے میں کچھ دیر نہیں لگتی۔"

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ [الحج: ٦]

"یہ سب کچھ اس لیے (ہے) کہ اللہ ہی حق ہے، اور بلاشبہ وہی مردوں کو زندہ کرتا اور وہ بلاشبہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝﴾ [یونس: ٣٢]

"یہ اللہ تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ پھر حق کے بعد سوائے گمراہی کے کیا باقی رہ جاتا ہے۔"

اللہ کی تخلیقات برحق ہیں

اللہ تعالیٰ کی مناسبت سے اس کے متعلقہ چیزوں پر بھی حق کا اطلاق ہوتا ہے۔ تو اس وقت حق کا معنیٰ ہوگا سچائی اور حقیقت۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات سچائی پر مبنی ہیں۔ مثلاً دین اسلام کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝﴾ [الأحزاب: ٤]

"اور اللہ حقیقی بات کہتا ہے اور وہی صحیح راہ دکھاتا ہے۔"

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ [التوبة: ۳۳]

"وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین کو سب ادیان پر غالب کر دے۔ خواہ یہ بات مشرکوں کو کتنی ہے ناگوار ہو۔"

﴿ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾ [محمد: ۲]

"اور جو کچھ محمد (ﷺ) پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لائے اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔"

﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ﴾ [الرعد: ۱٤]

"اس کو پکارنا برحق ہے۔"

﴿ وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ ﴾ [الأنبياء: ۹۷]

"اور سچا وعدہ (قیامت) نزدیک آجائے گا۔"

﴿ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ﴾ [النبأ: ۳۹]

"یہ وہ دن ہے جو ایک حقیقت ہے۔"

﴿ وَ الْوَزْنُ يَوْمَىِٕذِ اِ۟لْحَقُّ ﴾ [الأعراف: ۸]

"اس دن حق (انصاف) کے ساتھ اعمال کا وزن کیا جائے گا۔"

زمین و آسمان کی تخلیق کوئی حادثہ نہیں ہے، یا کوئی کھیل تماشا کے طور پر اس کی تخلیق نہیں کی گئی، بلکہ یہ احکم الحاکمین کی کمال منصوبہ بندی اور عظیم حکمت و دانائی کی علامت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو اپنی نشانی قرار دیا ہے:

﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ [آل عمران: ۱۹۰، ۱۹۱]

"آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے باری باری آنے جانے میں اہل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے اور آسمانوں اور زمین کی

پیدائش میں سوچ و بچار کرتے (اور پکار اٹھتے) ہیں۔ "اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا، تیری ذات اس سے پاک ہے۔ پس (اے پروردگار!) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔"

یہاں 'باطل' کا لفظ حق کے مقابلے میں ہے، یعنی کائنات پر غور و فکر کرنے والے اقرار کرتے ہیں کہ اس کی تخلیق باطل اور بے معنیٰ نہیں ہے، تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق بر حق یا اثبات حق کے لیے ہے۔

مزید فرمایا:

﴿ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ ﴾ [الملك: ٣، ٤]

"اسی نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کیے۔ تم رحمٰن کی پیدا کردہ چیزوں میں کوئی بے ربطی نہ دیکھو گے۔ ذرا دوبارہ (آسمان کی طرف) دیکھو، کیا تمہیں اس میں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر اسے بار بار دیکھو۔ تمہاری نگاہ تھک کر ناکام پلٹ آئے گی۔"

جب آسمانوں کی طرف بار بار دیکھنے کے باوجود ان میں کوئی کمی اور کجی نظر نہیں آتی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی تخلیق ایسی ذات نے کی ہے جو حق اور پرفیکٹ ہے۔

اللہ تعالیٰ خود نظر نہیں آتے، لیکن اس کی تخلیق نظر آتی ہے، لہٰذا اس تک پہنچنے اور اسے جاننے کے لیے ذریعہ بھی اس کی تخلیقات ہی ہیں۔

کلمہ کُن کے حق ہونے کے دلائل

اگر ترجمۃ الباب میں موجود آیت میں لفظ حق سے مراد کلمہ کُن کے حق ہونے کا استدلال کیا جائے تو یہ بھی درست ہے۔ اس کے کئی دلائل ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾ [البقرة: ١١٧]

"وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو بس اتنا کہہ دیتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتا ہے۔"

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَ يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَ لَهُ الْمُلْكُ

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴾ [الأنعام: ۷۳]

”وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور جس دن وہ (قیامت کو) کہے گا کہ ”ہو جا“ تو وہ (قائم) ہو جائے گی، اس کی بات سچی ہے اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا اس دن اسی کی حکومت ہو گی۔ وہ چھپی اور ظاہر سب باتوں کو جاننے والا ہے اور وہ بڑا دانا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔“

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین و آسمان کی تخلیق کا تذکرہ کیا، پھر لفظ کن کا تذکرہ فرمایا۔ دوسری آیت میں پہلے زمین و آسمان کی تخلیق کو حق قرار دیا، پھر لفظ کن کا تذکرہ کیا پھر اسے حق کہا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس کلمہ کن سے تخلیق کائنات ہوئی وہ حق ہے۔

زمین و آسمان کے حق ہونے کا مطلب

مخلوقات میں بعض چیزوں کا وجود حق ہوتا ہے اور بعض کا وجود باطل ہوتا ہے جیسا کہ خیر اور شر کا وجود ہے۔ ہم مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ شر اور خیر کا خالق اللہ ہے۔ تو مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کا وجود حق اور باعث خیر ہے۔

دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول حق ہے، کیونکہ اس قول (کُن) سے پیدا ہونے والی کائنات سراسر حق ہے، جو اس کے قول کے حق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں زمین و آسمان کو حق کہا گیا ہے، اس کی کئی ایک وجوہات ہیں:

زمین و آسمان کا لفظ بطور اصطلاح ساری کائنات کے لیے بولا جاتا ہے: زمین کا لفظ نیچے والی کائنات کے لیے اور آسمان کا لفظ اوپر والی کائنات کے لیے بولا جاتا ہے۔ گویا زمین و آسمان کہہ کر پوری کائنات کے حق ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس پر قرآن و حدیث کے بے شمار دلائل ہیں۔

آسمان سے اوپر عرش اور کرسی ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب رکھتے ہیں بنسبت آسمان و زمین ہے۔ تو جب زمین و آسمان حق ہیں تو عرش اور کرسی بالاولیٰ حق ہیں۔

کائنات میں سے انسان کے ساتھ زمین و آسمان ہی کا تعلق ہے، زمین اس کا ٹھکانہ ہے اور آسمان سے وہ بارش اور اس کے ذریعے رزق، سورج سے روشنی، چاند سے چاندنی اور ستاروں سے رہنمائی پاتا ہے، اس لیے انہی دونوں کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا رد

صوفیا میں دو فرقے ہیں: وحدت الوجود اور وحدت الشہود۔ پہلے فرقے کا نظریہ ہے کہ کائنات کے سارے وجود اللہ کے ساتھ ایسے ہی تعلق رکھتے ہیں جیسے سورج کے ساتھ اس کی کرنیں ہوتی ہیں، یعنی کائنات میں ساری چیزیں دراصل اللہ ہی کا پھیلاؤ ہے۔

اور وحدت الشہود کے قائلین کہتے ہیں کہ کائنات میں جتنی بھی مخلوقات ہیں، سب اللہ پر دلالت کر رہی ہیں۔ مزید وہ کہتے ہیں کہ مخلوق پر اللہ کا عکس پڑا ہے تو اس کے اندر اللہ والی صفات پیدا ہو گئی ہیں۔

یہ دونوں نظریے ہی غلط ہیں کیونکہ خالق اور مخلوق بالکل دو الگ الگ وجود رکھتے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو حقیقت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین کی الگ ایک حقیقت ہے۔

٧٣٨٥ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو مِنَ اللَّيْلِ: «اللَّهُمَّ لَكَ الحَمْدُ، أَنْتَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ، لَكَ الحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، لَكَ الحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ، قَوْلُكَ الحَقُّ، وَوَعْدُكَ الحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَالجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَأَسْرَرْتُ وَأَعْلَنْتُ، أَنْتَ إِلَهِي لاَ إِلَهَ لِي غَيْرُكَ»،

حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهَذَا، وَقَالَ: «أَنْتَ الحَقُّ وَقَوْلُكَ الحَقُّ».

”ہمیں قبیصہ بن عقبہ نے بیان کیا، کہ ہمیں سفیان ثوری نے ابن جریج سے بیان کیا، انہوں نے سلیمان احول سے، انہوں نے طاؤس سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں یہ دعا کرتے تھے:

اے اللہ! تیرے ہی لیے تعریف ہے تو آسمان وزمین کا مالک ہے۔ حمد تیرے لیے ہی ہے تو آسمان وزمین کا قائم کرنے والا ہے اور ان سب کا جو اس میں ہیں۔ تیری ہی لیے حمد ہے تو آسمان وزمین کا نور

ہے۔ تیرا قول حق ہے اور تیرا وعدہ حق ہے اور تیری ملاقات حق اور جنت حق اور دوزخ حق ہے اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ! میں نے صرف تیرے سامنے سر جھکا دیا، میں تجھ ہی پر ایمان لایا، میں نے تیرے ہی اوپر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا۔ میں نے تیری ہی مدد کے ساتھ مقابلہ کیا اور میں تجھی سے انصاف کا طلب گار ہوں۔ پس تو میری مغفرت کر ان تمام گناہوں میں جو میں پہلے کر چکا ہوں اور جو بعد میں مجھ سے صادر ہوں، جو میں نے چھپا رکھے ہیں اور جن کا میں نے اظہار کیا ہے، تو ہی میرا معبود ہے اور تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔

اور ہمیں ثابت بن محمد نے بیان کیا، کہ ہمیں سفیان ثوری نے یہی حدیث بیان کی اور اس میں یوں ہے کہ تو حق ہے اور تیرا کلام حق ہے"۔

لطائف الاسناد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دو اساتذہ قبیصہ رحمۃ اللہ علیہ اور ثابت بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت بیان کی ہے۔

شرح الحدیث

مذکورہ حدیث میں اللہ کی ذات، اس کی صفات (قول، وعدہ، ملاقات) اور اللہ تعالیٰ کے افعال (جنت، جہنم، قیامت) کو حق کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تینوں پر حق کا اطلاق ہوتا ہے اور یہی امام بخاری ثابت کرنا چاہتے ہیں، اللہ اعلم

مذکورہ حدیث میں دعا کرنے کا اسلوب اور ادب سکھایا گیا ہے، کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے، پھر اپنی بخشش کی دعا کی جائے۔

فوائد

① مذکورہ باب میں اللہ تعالیٰ کی صفت قول کو ثابت کیا گیا ہے۔
② الحق اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔
③ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے ولی چیز پر بھی حق کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے دین الحق، وعد الحق، دعوۃ الحق وغیرہ۔
④ جو چیز اللہ تعالیٰ سے تعلق نہیں رکھتی، وہ باطل اور غیر الحق ہے۔
⑤ دعا کرتے ہوئے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنی چاہئے۔
⑥ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس سے متعلق چیز کی تعریف بھی دراصل اللہ ہی کی تعریف ہے۔

غیر مسلم ممالک میں تعلیم کے لیے جانے کا حکم!

مرتب: حافظ حبیب الرحمن مدنی

مسلمانوں کو اپنے دینی مسائل میں علماء کرام کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ "جن مسائل میں تمہیں علم نہیں، ان میں علماء سے سوال کرو" اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شفاء العي السوال "بیمار (ضرورت مند) کی شفا سوال کرنے میں ہے"۔ معتبر اور جید علماء کرام کے فتاویٰ جات کی اشاعت ماہنامہ محدث کا طرہ امتیاز رہا ہے، پاکستان کے نامور مفتی فضیلۃ الشیخ حافظ ثناء اللہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ محدث ہی کے صفحات پر شائع ہوتے تھے اور اسی بدولت ماہنامہ محدث کو تمام مجلات پر علمی تفوق حاصل تھا۔ جب محدث ویب سائٹ بنائی گئی تو اس میں بھی محدث فتاویٰ کا ایک آپشن بطور خاص رکھا گیا، جس میں قدیم علماء کرام کے فتاویٰ جات کے ساتھ ساتھ ماہنامہ محدث کے قارئین اور محدث ویب سائٹ کے وزٹر حضرات کے سوالات کے جوابات مفتیان کرام کا ایک بورڈ دیتا ہے، جس میں مفتی جماعت فضیلۃ الشیخ حافظ عبد الستار حماد، فضیلۃ الشیخ جاوید اقبال سیالکوٹی، فضیلۃ الشیخ مفتی عبد الخالق، فضیلۃ الشیخ عبد الحلیم بن محمد بلال اور فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق زاہد حفظہ اللہ شامل ہیں۔ مذکورہ مفتیان کرام کے فتاویٰ جات کو محدث فتویٰ کمیٹی کے انچارج حافظ حبیب الرحمن مدنی (فاضل مدینہ یونیورسٹی) مرتب کرتے ہیں جنہیں محدث فتویٰ ویب سائٹ پر شائع کیا جاتا ہے۔ ان فتاویٰ جات میں سے منتخب علمی و فقہی فتاویٰ جات کو قارئین ماہنامہ محدث کے لیے پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ قارئین اپنے سوالات https://urdufatwa.com/ask-question پر ہمیں ارسال کرسکتے ہیں۔ ادارہ محدث

سوال

کیا غیر مسلم ملک میں تعلیم کے لیے جانا جائز ہے؟

ا فاضل مدینہ یونیورسٹی

(جواب)

الحمد لله، والصلاة والسلام علىٰ رسول الله، أما بعد!

بلا شبہ تعلیم انسان کا حقیقی زیور ہے۔ اسلام میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر پہلی وحی تعلیم ہی کے بارے میں نازل ہوئی۔ لہٰذا انسان کو علم حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن سعی کرنا چاہیے اور ان تعلیمی اداروں میں داخل ہونا چاہیے جو اسلامی اقدار کو فروغ دیتے ہوں۔ آج کل تقریباً تمام اسلامی ممالک میں دینی اور دنیاوی ہر طرح کی تعلیم کے بہترین مواقع میسر ہیں۔ غیر مسلم ممالک کا سفر کرنا کئی ایک خطرات کا باعث ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۙ﴿97﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۙ﴿98﴾ ﴾ [النساء: ٩٧-٩٨]

”بے شک وہ لوگ جنہیں فرشتے اس حال میں فوت کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں: ہم اس سرزمین میں انتہائی ناتواں اور کمزور تھے۔ فرشتے انہیں کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم وہاں سے ہجرت کر جاتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے، مگر وہ نہایت کمزور مرد اور عورتیں، بچے جو (حقیقتاً) نہ کسی تدبیر کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ کوئی راستہ پاتے ہیں“۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی سرزمین جہاں انسان کا دین و ایمان محفوظ نہ ہو وہاں رہنے کی اجازت نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

أنا بريء من كل مُسلم يقيم بين أظْهُرِ المشركين[1].

”میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکین میں رہائش رکھے ہوئے ہے“۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

1 سنن أبي داود: ٢٦٤٥ (صحیح)

لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْ مُشْرِكٍ أَشْرَكَ بَعْدَ مَا أَسْلَمَ، عَمَلًا حَتَّى يُفَارِقَ الْمُشْرِكِينَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ[1].

"اللہ تعالیٰ اس مشرک کا کوئی عمل قبول نہیں کرتا جو اسلام لانے کے بعد مشرک ہو جائے تا آنکہ وہ اہل شرک کو چھوڑ کر اہل اسلام سے نہ آملے"۔

اگر کوئی ایسا علم ہو جس کو سیکھنا جائز ہے، لیکن اس کی تعلیم کسی اسلامی ملک میں میسر نہیں ہے، تو غیر مسلم ممالک میں اس علم کو حاصل کرنے کی غرض سے جانا کچھ شروط کے ساتھ جائز ہے:

① انسان کے پاس اتنا علم ہو کہ وہ کافروں کے شبہات کا جواب دے سکے، کیونکہ کافروں کے ممالک میں مسلمان طلبہ کو طرح طرح کے شبہات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ وہ دین بیزار ہو جائیں، لادینیت اختیار کر لیں یا پھر نام کے مسلمان رہ جائیں۔

② انسان اتنا دین دار اور تقوی والا ہو کہ اپنی خواہشات اور جذبات کو کنٹرول کر سکے، شہوتوں سے دور رہ سکے، بصورت دیگر اس کے بھٹکنے کے قوی امکانات ہیں؛ کیونکہ وہاں کا معاشرہ مادر پدر آزادی ہے، جہاں ہر طرح کی بے حیائی شخصی آزادی کی آڑ میں جائز تصور کی جاتی ہے اور اسے قانونی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔

③ وہ تعلیم کسی اسلامی ملک میں نہ دی جاتی ہو۔ اگر وہ علم کسی اسلامی ملک میں پڑھایا جاتا ہے اور آپ کا وہاں جانا ممکن ہے، تو غیر مسلم ممالک میں اس علم کو حاصل کرنے کے لیے جانا جائز نہیں ہے۔

④ تعلیم حاصل کرنے بعد مسلم ممالک میں آکر مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے، غیر مسلم ممالک کی نیشنلٹی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔

لہٰذا اگر مذکورہ بالا چار شرطیں پائی جائیں تو انسان تعلیم کی غرض سے بیرون ملک جا سکتا ہے، جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ سلمہ رضی اللہ عنہا نے سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، وہ فرماتی ہیں: ہم حبشہ کی سرزمین پر اترے اور نجاشی کو بہترین پڑوسی پایا، ہم اپنے دین کے بارے میں پر امن ہو گئے، ہم نے وہاں اللہ تعالی کی عبادت کی، ہمیں وہاں نہ کوئی تکلیف دی جاتی تھی اور نہ ہی ہم وہاں کوئی ناپسند بات سنتے تھے[2]۔

---

١ سنن ابن ماجہ: ٢٥٣٦ (صحیح)

٢ مسند أحمد: ١٧٤٠، الصحیحہ: ٣١٩٠

ان شرائط کی عدم موجودگی میں غیر مسلم ملک میں تعلیم کی غرض سے نہیں جانا چاہیے کیوں کہ دین اور ایمان کو بچانا ایسی تعلیم سے زیادہ ضروری ہے جس سے انسان کے ایمان کو خطرات لاحق ہو جائیں۔

واللہ أعلم بالصواب.

محدث فتویٰ کمیٹی

فضیلۃ الشیخ ابو محمد عبد الستار حماد حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ جاوید اقبال سیالکوٹی حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ مفتی عبد الخالق حفظہ اللہ

سوال

پاکستانی قانون دادا کی جائیداد میں پوتے کو فوت شدہ باپ کا مکمل حصہ دیتا ہے جو کہ والد (دادا) کی حقیقی اولاد عام طور نہیں دینا چاہتی جس کے نتیجے میں قانون کا سہارا لے کر زبردستی حقیقی اولاد (پوتے کے چچا اور تایا) کے ساتھ پوتے وغیرہ کو حصہ دار بنا دیا جاتا ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کس یتیم نے کس یتیم کی حق تلفی کی ہے؟

جواب

الحمد لله، والصلاة والسلام علىٰ رسول الله، أما بعد!

شرعی حکم کے مطابق اگر مرنے والے کا اپنا سگا بیٹا موجود ہو تو پوتا وارث نہیں ہوتا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلْحِقُوا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ [1].

"جن ورثا کا حصہ متعین ہے تم انہیں ان کا حصہ پورا پورا ادا کر دو، پھر جو مال بچ جائے اسے میت کے قریبی ترین رشتے دار کو دے دو"۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

1 صحیح البخاری: ٦٧٣٢

وَلاَ يَرِثُ وَلَدُ الاِبْنِ مَعَ الاِبْنِ [1].

"بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں ہو گا"۔

لہذا مذکورہ بالا سوال میں میت (دادا) کی حقیقی اولاد جو کہ پوتے کے چچا لگتے ہیں وارث ہونگے پوتا وارث نہیں ہو گا۔

لیکن اگر دادا صاحب ثروت ہے، اس کے سگے بیٹوں کو مال کی زیادہ ضرورت نہیں ہے اور پوتا فقیر اور محتاج ہے تو دادے کو چاہیے کہ وہ اپنے پوتے کے لیے اپنے مال سے ایک تہائی یا اس سے کم کی وصیت کر دے۔

سیدنا خالد بن عبید سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ أَعْطَاكُمْ ثُلُثَ أَمْوَالِكُمْ عِنْدَ وَفَاتِكُمْ زِيَادَةً فِي أَعْمَالِكُمْ [2].

"بلاشبہ اللہ تعالی نے تمہیں موت کے وقت ایک تہائی مال تک اختیار دیا ہے تا کہ تمہارے اعمال میں اضافہ ہو سکے"۔

سوال کا دوسرا حصہ یتیم کے بارے میں ہے:

اسلام میں یتیم اس بچے یا بچی کو کہتے ہیں: جو نابالغ ہو، اور اس کا والد فوت ہو گیا ہو، لہذا اگر والد کی بجائے والدہ فوت ہوئی ہے تو وہ یتیم نہیں ہے۔ اسی طرح اگر وہ بالغ ہو گیا ہے پھر بھی یتیمی ختم ہو گئی ہے [3]۔

والله أعلم بالصواب.

محدث فتویٰ کمیٹی

فضیلۃ الشیخ ابو محمد عبد الستار حماد حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ جاوید اقبال سیالکوٹی حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ مفتی عبد الخالق حفظہ اللہ

---

١ صحیح بخاري، معلقاً قبل الحدیث: ٦٧٣٥
٢ صحیح الجامع: ١٧٢١
٣ معجم لغة الفقهاء: ٥١٣.

سوال

اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ دیر سے ملے اور امام کے ساتھ سورہ فاتحہ نہ پڑھ سکے، توکیا وہ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہے گا؟

جواب

الحمد لله، والصلاة والسلام علىٰ رسول الله، أما بعد!

ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کی قراءت کرنا رکن ہے۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ[1].

"جس شخص نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔"

دوسری حدیث میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نماز فجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت شروع فرمائی مگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھاری ہوگئی۔ (یعنی آپ اس میں رواں نہ رہ سکے) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا:

لَعلَّكم تَقرؤونَ خلفَ إمَامِكم؟ قلنا: نعم، هذًّا يا رسول الله. قال: لا تَفعَلُوا إلا بفاتحةِ الكتاب، فإنَّه لا صلاةَ لمن لم يَقرَأْبها[2].

"شاید کہ تم لوگ اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟" ہم نے کہا: جی، اے اللہ کے رسول! ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہ پڑھا کرو مگر فاتحہ، کیونکہ جو اسے (فاتحہ کو) نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔"

مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنے کا کوئی معین وقت نہیں ہے۔ اگر امام سورہ فاتحہ کی تلاوت کرنے کے بعد تھوڑی دیر خاموش رہتا ہے تاکہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں، تو پھر بہتر یہ ہے کہ مقتدی امام کی قراءت خشوع و خضوع کے ساتھ سنے اور جب وہ فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموش ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ اگر امام سورہ

---

١ صحیح بخاری: ٧٥٦، صحیح مسلم: ٣٩٤

٢ سنن أبی داود: ٨٢٣، (صحیح)

فاتحہ کی تلاوت کرنے کے بعد خاموش نہیں ہوتا تو مقتدی جب چاہے سورہ فاتحہ پڑھ سکتا ہے، امام سے پہلے پڑھ لے یا ساتھ ساتھ پڑھ لے۔ بعض اوقات امام دعائے استفتاح پڑھنے میں دیر کر دیتا ہے تو اس دوران بھی مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ جاسکتا ہے۔

اگر مقتدی نے امام سے پہلے سورہ فاتحہ پڑھ لی ہے تو وہ آمین کہے گا، کیونکہ آمین کہنے کا سبب پایا گیا ہے اور جب امام آمین کہے گا پھر دوبارہ آمین کہے گا۔ ایسے ہی اگر اس نے سورہ فاتحہ کی تلاوت امام کے ساتھ آمین کہنے کے بعد کی ہے تو جب وہ اپنی فاتحہ ختم کرے گا تو آمین کہے گا۔ البتہ اگر مقتدی اور امام ایک ساتھ ہی فاتحہ ختم کریں تو امام کی آمین کے ساتھ ایک ہی مرتبہ آمین کہنا جائز ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَمَّنَ الإِمَامُ، فَأَمِّنُوا، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ المَلاَئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ –وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ – وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: آمِينَ [1].

”جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی، اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ ابن شہاب کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی آمین کہا کرتے تھے۔“

واللہ أعلم بالصواب.

محدث فتویٰ کمیٹی

فضیلۃ الشیخ حافظ اسحاق زاہد حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ جاوید اقبال سیالکوٹی حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ مفتی عبد الخالق حفظہ اللہ

---

1 صحیح بخاری: ۷۸۰، صحیح مسلم: ۴۱۰

ناموس صحابہ کرام و اہل بیت عظام

(علمائے اہل حدیث کا متفقہ اعلامیہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وحی الٰہی کے مخاطب، رسول اللہ ﷺ کے انصار و معاون اور اسلام کے اولین راوی ہیں۔ قرآن و حدیث میں ان کی شان، مقام، تعظیم اور امت پر ان کے حقوق کا واضح طور پر تذکرہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ اور ﴿وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا ہے جو قیامت تک کے لیے ہے۔ بعض لوگوں نے دورِ نبوی ﷺ کے بعد کے سیاسی اختلافات کو بنیاد بنا کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ چونکہ وہ لوگ خود کو مسلک اہل حدیث سے منسوب کرتے ہیں، اس لیے علمائے اہل حدیث نے مسئلہ کی حساسیت کو سامنے رکھتے ہوئے ایک اجماعی فتویٰ جاری کیا جس میں ناموس صحابہ و اہل بیت کے حوالے سے مسلک اہل حدیث کو واضح کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس ہستیوں کو ہدفِ تنقید بنانے والوں سے اعلان براءت کا اظہار کیا۔ ادارہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ أَمَّا بَعْدُ!

آج مؤرخہ ۱۳ جولائی، بروز اتوار مقام و ناموس صحابہ و اہل بیت کے تحفظ کے حوالے سے علمائے اہل حدیث کا بھرپور اجلاس منعقد ہوا اور اہل علم کی کئی گھنٹوں کی گفتگو کے بعد یہ متفقہ اعلامیہ جاری کیا گیا:

اَہل سنت والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل اور امین ہیں

اللہ تعالیٰ کی جانب سے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ﴾ کے سند یافتہ اور ﴿كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ کی نوید کے مستحق ہیں۔ مزید برآں سب صحابہ جنتی ہیں اور جملہ اصحاب رسول و اہل بیت عظام سے محبت جزو ایمان ہے۔ اس عقیدے پر قرآنی آیات بینات اور احادیث مبارکہ بالکل واضح راہنمائی کرتی ہیں۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ

رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝﴾

[التوبة: ١٠٠]

"اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

انبیائے عظام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کائنات کی برگزیدہ ترین ہستیاں اور خیر القرون ہیں۔ اس پر سینکڑوں آیاتِ بینات اور احادیث شاہد عدل ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے سچے مسلمانوں کی یہ پہچان ہے کہ وہ ان عظیم ہستیوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو ان کے بارے میں ہر قسم کی کدورت سے پاک رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾ [الحشر: ١٠]

"اور جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ جو ایمان لائے، اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔"

اس کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لب کشائی کرنا منافقت کی علامت ہے اور قرآن و سنت کی تعلیمات سے انحراف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِي، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نصيفه [1].

"میرے اصحاب میں سے کسی ایک کو بھی برا مت کہو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی

1 صحیح بخاری: ۳۶۷۳، صحیح مسلم: ۲۵۴۱

سونا خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مد کے برابر بلکہ ان کے آدھے مد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

تمام اہل سنت کا یہی متفقہ عقیدہ ہے۔ جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ نقل کرتے ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں:

وَنُحِبُّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا نُفَرِّطُ فِي حُبِّ أَحَدٍ مِنْهُمْ، وَلَا نَتَبَرَّأُ مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ. وَنُبْغِضُ مَنْ يُبْغِضُهُمْ، وَبِغَيْرِ الْخَيْرِ يَذْكُرُهُمْ. وَلَا نَذْكُرُهُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ. وَحُبُّهُمْ دِينٌ وَإِيمَانٌ وَإِحْسَانٌ، وَبُغْضُهُمْ كُفْرٌ وَنِفَاقٌ وَطُغْيَانٌ[1].

"ہم اصحاب رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں، ان میں سے کسی کی محبت میں حد سے نہیں بڑھتے اور نہ ہی ان میں سے کسی سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں، جو شخص بھی ان سے بغض رکھتا ہے یا غلط طریقے سے ان کا تذکرہ کرتا ہے، تو ہم ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں۔ ذکر خیر کے علاوہ اور کسی طریقے سے ہم ان کا تذکرہ نہیں کرتے۔ ہاں ان سے محبت کرنا دین، ایمان اور احسان ہے، جبکہ ان سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور طغیان ہے۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جن کی کتاب "السنة" سے لے کر نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد اب تک متقدمین و متاخرین کی تمام کتب عقیدہ میں اہل سنت کا یہی اجماعی عقیدہ درج ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرف صحابیت کی بنا پر واجب الاحترام ہیں۔

بلاشبہ صحابہ باہمی درجات و فضائل متفاوت اور مسلمہ ہیں، تاہم مقام صحابیت کے حوالے سے تنقیص و تنقید کے معاملے میں یہ سب یکساں طور پر قابل تعظیم ہیں۔ ان میں سے کسی کی بھی ذرا سی تنقیص سراسر گمراہی ہے۔ ان میں سے کسی کی شان میں تاریخی تجزیے، تحقیق، یا کسی بھی دوسرے بہانے سے کی جانے والی تنقید و تنقیص، خواہ زبانی ہو یا تحریری، واضح ہو یا اشارتاً، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص کے مترادف ہے۔ جو بھی شخص کسی صحابی کی شان میں تحریراً یا تقریراً، اشارتاً یا صراحتاً تنقیص کرتا ہے، وہ اہل بدعت میں سے ہے، روافض کا ہمنوا اور اہل سنت کے صحیح عقائد سے منحرف ہونے کے ساتھ ساتھ غیر سبیل المؤمنین کا پیروکار ہے۔ ایسے شخص کو اہل حدیث سمجھنا، کہنا یا لکھنا، نیز اسے امام و خطیب مقرر کرنا یا کوئی تنظیمی عہدہ دینا قطعی طور پر ناجائز ہے۔ حبِ صحابہ کا تقاضا ہے کہ ایسے شخص کو حکمت کے ساتھ سمجھایا جائے، اس پر اتمام حجت کی جائے

---

[1] العقيدة الطحاوية: ٥٠

اور اعلانیہ توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ لیکن اگر وہ اس کے باوجود اپنی روش سے باز نہ آئے، تو ایسے شخص سے براءت کا اظہار لازم ہے۔ ایسا شخص قانونا بھی مجرم ہے اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جانی چاہیے۔ جیسا کہ مملکت خداداد پاکستان کے مجموعہ تعزیرات کی دفعہ ۲۹۸ الف میں مرقوم ہے: جو کوئی الفاظ کے ذریعے، خواہ زبانی ہوں یا تحریری، یا مرئی نقوش کے ذریعے، یا کسی تہمت، کنایہ یا درپردہ تعریض کے ذریعے، بلاواسطہ رسول پاک حضرت محمد (ﷺ) کی کسی بھی زوجہ مطہرہ (ام المومنین)، یا رسول پاک ﷺ کے خاندان کے کسی فرد (اہل بیت) حضور اکرم ﷺ کے خلفائے راشدین یا ساتھیوں (صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم) میں سے کسی کے متبرک نام کی توہین کرے گا تو اسے کسی ایک قسم کی سزا کی قید اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو تین سال تک ہو سکتی ہے، یا جرمانے کی سزا، یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

ضرورت ہے کہ صحابہ کرام پیر کی بابت اہل سنت کے عقیدہ وسوچ کی ترویج واشاعت کی جائے۔ جس کے لیے عصر حاضر میں میسر تمام ذرائع ابلاغ اور پلیٹ فارم پر کام کیا جائے۔

صحابہ کرام ہیجان کی بابت پیدا کردہ شبہات کے علمی و تحقیقی جواب پر مبنی لٹریچر تیار کیا جائے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی کوشش کی جائے۔

ہمارے دینی مدارس کے تعلیمی نصاب میں مقرر تاریخ سے متعلقہ کتاب چونکہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں اہل سنت کے موقف کی درست ترجمانی نہیں کرتی، اس لیے ایک مفید اور جامع کتاب تیار کر کے نصاب میں شامل کی جائے۔

خطباء وواعظین کے لیے تربیتی پروگرام منعقد کیے جائیں اور جو خطباء اہل سنت مخالف نظریات کا پرچار کریں ضروری ہے کہ جماعتی اور اداری سطح پر ان کا کڑا احتساب کیا جائے۔ اہل حدیث مدارس، جماعتوں اور عہدیداروں میں منہج اہل حدیث کی فکری و علمی اساس کو مضبوط کیا جائے - اور اس کی مناسب نگہداشت کی جائے کہ ان منابع سے کوئی ایسی بات نشر نہ ہو جو مسلک اہل حدیث کے منافی ہو۔

اگر کسی عہدے و منصب پر کوئی ایسا شخص براجمان ہو جو سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو اسے معزول کیا جائے۔ اسی طرح جو خطیب یا مؤلف نصیحت کے باوجود باز نہ آئے تو کبار علماء ایسے افراد سے متعلق براءت کا اظہار کرتے ہیں۔

جن جماعتوں اور اداروں سے متعلق افراد کی طرف سے مسلسل ہر سال حرمت صحابہ کے خلاف باتیں سامنے آتی ہیں ان کے ذمے داران پر بھی شرعی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ متعلقہ افراد کا سخت محاسبہ کریں۔

اہل بدعت کی مجالس کو سنوارنا اہل سنت کا منبع نہیں ہے۔

انہی کی ہم نشینی سے رافضی جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر زبان درازی کا دروازہ یزید پر بحث اور واقعہ کربلا کی رافضی تعبیر سے کھلتا ہے۔ اس خرابی کے سدِباب کے طور پر اہل بدعت کی مجالس میں شرکت اور اس موضوع پر عوامی مجالس میں گفتگو سے اجتناب کیا جائے۔

التاریخ .... الرقم ....

دستخط مفتیان کرام

نمبر شمار	مفتیان کرام	دستخط	نمبر شمار	مفتیان کرام	دستخط
1	فضیلۃ الشیخ حافظ محمد شریف حفظہ اللہ		2	فضیلۃ الشیخ عبد اللہ شجاع آبادی حفظہ اللہ	
3	فضیلۃ الشیخ محمد رمضان سلفی حفظہ اللہ		4	فضیلۃ الشیخ غلام مصطفی ظہیر حفظہ اللہ	
5	فضیلۃ الشیخ قاری عبد الحلیم حفظہ اللہ		6	فضیلۃ الشیخ محمد شفیق مدنی حفظہ اللہ	
7	فضیلۃ الشیخ قاری ڈاکٹر احمد دین حفظہ اللہ		8	فضیلۃ الشیخ عبد الغفار اعوان حفظہ اللہ	
9	الشیخ محمد یاسین ظفر حفظہ اللہ		10	ڈاکٹر عتیق الرحمن حفظہ اللہ	
11	ڈاکٹر عبد الباسط فہیم حفظہ اللہ		12	الشیخ انس مدنی حفظہ اللہ	
13	ڈاکٹر حماد لکھوی حفظہ اللہ		14	ڈاکٹر عبید الرحمن محسن حفظہ اللہ	
15	فضیلۃ الشیخ جاوید اقبال سیالکوٹی حفظہ اللہ		16	الشیخ عتیق الرحمن علوی حفظہ اللہ	
17	ڈاکٹر محمد صارم حفظہ اللہ		18	ڈاکٹر محمد اجمل بھٹی حفظہ اللہ	
19	ڈاکٹر ابو یحیی نورپوری حفظہ اللہ		20	الشیخ محمد یحیی عارفی حفظہ اللہ	
21	فضیلۃ الشیخ خاور رشید بٹ حفظہ اللہ		22	ڈاکٹر حافظ مسعود اظہر حفظہ اللہ	
23	ڈاکٹر مطیع اللہ باجوہ حفظہ اللہ		24	الشیخ شاہد رفیق حفظہ اللہ	
25	الشیخ محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ		26	حافظ اسد محمود سلفی حفظہ اللہ	
27	الشیخ محمد ادریس اثری حفظہ اللہ		28	الشیخ محمد احمد صدیق حفظہ اللہ	
29	الشیخ محمد اختر صدیق حفظہ اللہ		30	الشیخ محمد عرفان صفدر حفظہ اللہ	
31	الشیخ محمد ابراہیم مدنی حفظہ اللہ		32	الشیخ عبد الرؤف حفظہ اللہ	
33	الشیخ محمد طاہر مدنی حفظہ اللہ		34	حافظ ارشد محمود حفظہ اللہ	

مشرف عام	نائب رئیس	رئیس
حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ	مفتی ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ	حافظ عبد الستار الحماد حفظہ اللہ

اٹھارہ سال سے پہلے نکاح
ریاستی اور اسلامی قانون کی نظر میں

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

انیسویں صدی کے نصف اول میں پوری دنیا میں شاید ہی کوئی ملک ایسا تھا کہ جس نے لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے ریاستی قانون میں شادی کی کم از کم عمر بغیر کسی استثناء کے ۱۸ برس مقرر کی ہو۔ یہ بدعت انیسویں صدی کے نصف ثانی میں اقوام متحدہ کی تحریک کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔

۱۹۸۹ء میں اقوام متحدہ نے اپنے کنونشن برائے حقوق طفل (Convention on the Rights of the Child) میں ریاستوں پر زور دیا کہ وہ ۱۸ سال سے کم عمری کی شادی کے خلاف قانون سازی کریں۔ یہ کم عمری کی شادی کے خلاف اقوام متحدہ کا پہلا جامع قدم تھا۔ غالباً پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ ۱۸ سال سے کم عمری کی شادی کو چائلڈ میرج کا نام دیا گیا۔ امریکہ کے علاوہ تقریباً ۱۹۳ ممالک نے اس بل پر دستخط کر دیے۔

امریکی سینیٹرز کا کہنا تھا کہ یہ ان کی ریاستی خود مختاری (Sovereignty) کے خلاف ہے کہ انہیں اس قسم کے قوانین کا پابند بنایا جائے، لہٰذا امریکہ نے نہ اس بل کی توثیق کی اور نہ ہی اس پر دستخط کیے۔

۱۹۹۴ء تا ۲۰۰۰ء میں اقوام متحدہ کے ذیلی اداروں نے ۱۸ سال سے کم عمری کی شادی کو حقوق انسانی کی خلاف ورزی (Human Rights Violation) قرار دینا شروع کیا۔ ۲۰۱۳ء میں اس کی جنرل اسمبلی نے ۱۸ برس سے کم عمری کی شادی پر ایک متفقہ قرار داد منظور کی کہ جس میں تمام ریاستوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ شادی کی کم از کم عمر ۱۸ برس مقرر کریں اور عدالت یا والدین کی اجازت سے کم عمری کی شادی کے قانونی استثناء کا دروازہ بند کریں۔

بعد ازاں ۲۰۱۵ء میں اقوام متحدہ نے ایک پراجیکٹ لانچ کیا جس کا نام (SDG ۲۰۳۰) ہے۔ اس پراجیکٹ کے تحت ۲۰۳۰ء تک اس نے سترہ اہداف حاصل کرنے ہیں۔ ان میں سے پانچواں ہدف صنفی مساوات (gender equality) کے گرد گھومتا ہے۔ اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے کچھ اہداف مقرر کیے گئے ہیں جن میں ایک اقوام عالم کو جبری شادی اور بچوں کی شادی (forced & child marriage) کے خلاف قانون سازی پر آمادہ کرنا ہے۔ اقوام متحدہ اپنے اس ہدف کو پورا کرنے کے لیے فعال ہے۔ اگرچہ

اقوام متحدہ کی سرکاری ویب سائیٹ کا کہنا ہے کہ پوری دنیا میں چائلڈ میرج ختم کرنے میں اگلے تین سو برس لگ جائیں گے۔ اقوام متحدہ کے اس پراجیکٹ کے تحت ۱۸ برس سے کم عمر کی شادی کو بزور قانون ختم کرنے سے متعلق مقاصد کو یوں بیان کیا گیا:

۵. ۱ End all forms of discrimination against all women and girls everywhere.

۵. ۳ Eliminate all harmful practices, such as child, early and forced marriage and female genital mutilation.

۵. C Adopt and strengthen sound policies and enforceable legislation for the promotion of gender equality and the empowerment of all women and girls at all levels.

"۱. ۵ دنیا بھر میں تمام خواتین اور بچیوں کے خلاف ہر قسم کے امتیاز کا خاتمہ کیا جائے۔
۳. ۵ تمام نقصان دہ رسومات کا خاتمہ کیا جائے، جیسے کہ بچپن کی شادی، زبردستی کی شادی اور خواتین کے جنسی اعضا کی قطع و برید۔
C. ۵ ایسی مضبوط پالیسیاں اور قابلِ نفاذ قانون سازی کو اپنایا اور مضبوط کیا جائے، جو صنفی برابری اور ہر سطح پر خواتین اور بچیوں کو با اختیار بنانے کو فروغ دے۔"

امریکہ میں ۲۰۱۵ء میں اوباما حکومت نے اقوام متحدہ کے ۲۰۳۰ء کے جنسی مساوات کے اہداف کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کے لیے فنڈنگ بھی کی۔ لیکن ۲۰۱۷ء میں ٹرمپ حکومت نے اقوام متحدہ کے ان اہداف کو امریکی خود مختاری کے خلاف قرار دیا اور ان منصوبہ جات کی فنڈنگ بھی روک دی۔ ۲۰۲۱ء میں جو بائیڈن حکومت نے اقوام متحدہ کے ان اہداف کی حمایت کا اعلان کیا اور اس کے لیے فنڈنگ بھی کی۔ لیکن ۲۰۲۵ء میں ٹرمپ کی دوبارہ حکومت بنی تو اس نے پھر سے اقوام متحدہ کے ان اہداف سے لاتعلقی اختیار کی اور دعویٰ کیا کہ امریکی انتخابات نے انہیں مسترد کر دیا ہے۔ امریکی حکومت کی طرف سے SDG ۵،۳ کی عملی حمایت بھی مؤخر کر دی گئی اور فنڈنگ بھی روک دی گئی۔

... یہ سب ۲۰۲۵ء میں ہو رہا ہے۔

عرب ممالک میں کم عمری کی شادی کا قانون

بعض لوگ دلیل دیتے ہیں کہ سعودی عرب میں بھی ۱۸ برس سے کم عمری میں شادی پر پابندی ہے۔ انہیں یہ جان لینا چاہیے کہ سعودیہ میں بھی اقوام متحدہ کی مذکورہ قانون سازی کے بعد ۲۰۲۰ء میں یہ قانون بنایا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے ولی کی اجازت کے ساتھ کسی بھی عمر میں شادی جائز تھی۔ موجودہ قانون میں بھی عدالت کی اجازت سے ۱۸ سال سے کم عمری میں شادی کی اجازت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سعودی عرب میں ۱۸ برس سے پہلے شادی کو قانوناً منع کرنے سے مراد یہ ہے کہ ۱۸ سال سے کم عمر کی شادی رجسٹرڈ نہیں ہو گی نہ کہ وہ کوئی قابل سزا جرم ہے یا ایسی شادی منعقد ہی نہیں ہوتی یا یہ چائلڈ ابیوز میں آتی ہے یا یہ ریپ کا کیس ہے۔ رجسٹریشن کے بغیر کم عمری کی شادی پر کسی سزا کا اطلاق سعودی قانون میں نہیں مل سکا۔

متحدہ عرب امارات میں ۱۸ برس سے کم عمری کی شادی کے خلاف قانون سازی ۲۰۰۵ء کے لگ بھگ ہوئی۔ مصر میں یہ قانونی اصلاحات ۲۰۱۰ء کے بعد جبکہ کویت میں ۲۰۲۵ء میں رائج ہوئیں۔ انڈونیشیا میں ۲۰۱۴ء کے بعد اور بنگلہ دیش میں ۲۰۱۷ء میں چائلڈ میرج کو قانونی طور منع قرار دیا گیا۔

اقوام عالم اور کم عمری کی شادی کے قانون میں استثناءات

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے تقریباً ۱۰۰ ممالک میں کم عمری کی شادی جائز ہے اور تقریباً ۱۵۰ ممالک نے شادی کی عمر کی حد ۱۸ سال مقرر کی ہے لیکن ان میں سے بھی ۷۰ سے زائد ممالک ایسے ہیں جنہوں نے اقوام متحدہ کو راضی کرنے کی خاطر قانون سازی تو کر لی لیکن اپنے قوانین میں ایسی تاویلات بھی نکال لیں جو نہ صرف ان کے مذہب، معاشرت، ثقافت اور اقدار کے مطابق تھیں بلکہ ان کے اجتماعی عقل اور قومی شعور کا تقاضا بھی تھیں۔ مثلاً

امریکہ کی ۵۰ میں سے ۳۶ ریاستوں میں آج بھی ۱۸ برس سے کم عمری میں شادی جائز ہے۔ چار ریاستوں کیلیفورنیا، مسیسیپی، نیو میکسیکو اور اوکلاہوما میں تو شادی کی کم از کم عمر مقرر ہی نہیں ہے یعنی وہاں کسی بھی عمر میں شادی ہو سکتی ہے۔ ۳۲ ریاستوں میں ۱۸ برس سے کم عمر کے بالغ کو والدین یا عدالت یا دونوں کی رضامندی سے شادی کی اجازت ہے۔ آسٹریلیا، روس، فرانس، اٹلی، کینیڈا، سکاٹ لینڈ کے علاوہ یورپ کے تقریباً پچیس چھبیس ممالک ایسے ہیں جیسا کہ آسٹریا، بیلجیم، بلغاریہ، کروشیا، اسٹونیا، یونان، ہنگری، آئرلینڈ، ناروے، پولینڈ، پرتگال، سربیا، سپین اور یوکرین وغیرہ کہ جن میں شادی کی قانونی عمر اگرچہ ۱۸ برس ہے لیکن ۱۶ یا ۱۷ برس میں بھی خاص حالات میں والدین اور عدالت کی اجازت کے ساتھ شادی کرنا درست ہے۔ بلکہ روس کے بعض

علاقوں میں خاص حالات میں ۱۴برس میں بھی شادی کی اجازت ہے۔

مسلم ممالک میں سے عراق میں بھی ۱۸ سال کی عمر شادی کے لیے مقرر ہے لیکن ۱۵سال کی عمر میں عدالت کی اجازت سے شادی جائز ہے۔ ترکی میں ۱۸ سال کی عمر شادی کی قانونی عمر ہے لیکن اس سے پہلے والدین یا سرپرست شادی کی اجازت دیں تو عدالت بھی اجازت دے سکتی ہے۔ مصر میں لڑکی کے لیے ۱۶ سال اور لڑکے کے لیے ۱۸ سال قانونی عمر ہے لیکن والد کی اجازت ہو تو عدالت اس سے پہلے بھی شادی کی اجازت دے سکتی ہے۔ مراکش میں لڑکیوں کی شادی کی عمر ۱۵ سال اور لڑکوں کی ۱۸ سال ہے جبکہ عدالت کی اجازت سے اس سے پہلے بھی شادی ممکن ہے۔ تیونس میں لڑکیوں کی شادی کی عمر ۱۷ سال جبکہ لڑکوں کی عمر ۲۰ سال ہے لیکن ولی کی اجازت ہو تو عدالت اس سے پہلے بھی شادی کی اجازت دے سکتی ہے۔ ملائیشیا میں لڑکی کی شادی کی عمر ۱۶ برس اور لڑکے کی عمر ۱۸ برس ہے مگر عدالت کی اجازت سے اس سے پہلے بھی شادی ہو سکتی ہے۔ متحدہ عرب امارات میں ۱۸ برس سے کم عمری کی شادی عدالت اور والدین کی اجازت سے جائز ہے۔ بنگلہ دیش میں بھی عدالت کی اجازت سے ۱۸ برس سے کم عمری میں شادی جائز ہے۔ ایران میں لڑکیوں کے لیے شادی کی قانونی عمر ۱۳ برس جبکہ لڑکوں کے لیے ۱۵ برس ہے لیکن والد یا دادا کی اجازت ہو تو اس سے کم عمری میں بھی شادی جائز ہے۔ یمن میں شادی کی عمر کے حوالے سے کوئی قانون موجود نہیں ہے۔ ۱۵ سال کی عمر شادی کی رسمی عمر شمار ہوتی ہے۔ انڈیا میں بھی کئی ایک عدالتوں نے ۱۵ یا ۱۶ برس کی مسلم شادیوں کو جائز قرار دیا جبکہ وہ بالغ ہوں اور ان کی رضامندی موجود ہو کیونکہ اسلامی قانون میں اس کی اجازت ہے۔

پاکستان میں کم عمری کی شادی کا قانون

پاکستان میں ۱۹۲۹ء کے ایکٹ کے مطابق لڑکی کے لیے شادی کی عمر ۱۶ برس تھی لیکن اب ۲۰۲۵ء میں اقوام متحدہ کے حکم پر ہمارے ہاں ۱۸ سال سے کم عمر کی شادی پر پابندی کا قانون پاس کیا گیا۔ پہلے پہل ۲۰۱۳ء میں سندھ حکومت نے ایک ایکٹ کے ذریعے لڑکا اور لڑکی دونوں کے لیے شادی کی کم از کم عمر ۱۸ سال قرار دی تھی۔ چونکہ سندھ اسمبلی کی قانون سازی کے ملک کے دوسرے حصوں پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، اس لیے اسلام آباد ہائی کورٹ کے جج بابر ستار کو استعمال کیا گیا ہے۔ انہوں نے ۲۰۲۲ء میں ایک کیس میں چودہ پندرہ سال کی عمر کی ایک لڑکی کے نکاح کو فاسد اور زنا بالرضا قرار دیا، اس کو بنیاد بنا کر اب یہ قانون سازی کی گئی ہے کہ جس میں اٹھارہ برس سے کم عمر کی شادی پر قانونی طور نہ صرف پابندی لگا دی گئی ہے، بلکہ ایسا کرنے والے لڑکے اور لڑکی کے والدین یا نکاح خواں کو بھی قید اور جرمانے کی سزا ہو سکتی ہے۔ صدر پاکستان نے اس قانون پر دستخط

کر دیے ہیں اور قوم کا ردِ عمل جاننے کے لیے فی الحال اسلام آباد کی حدود میں اسے نافذ کیا گیا ہے۔

اس قسم کی قانون سازی فرد کی پرسنل لائف میں ریاست کے گھسنے اور فرد کو ریاست کی پراپرٹی سمجھنے کی ظالمانہ کاوش ہے جو ازخود قانون سازی کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔

شادی کے لیے ۱۸ سال کی شرط کسی سائنسی یا معاشرتی تحقیق پر مبنی نہیں بلکہ اقوام متحدہ کے ایجنڈے کے تحت ہے۔ یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ قومی اسمبلی سے پاس ہونے والے قانون کی کاپی نیٹ سے حاصل کریں، تو اس کے آخر میں صاف لکھا ہے کہ یہ قانون سازی اقوام متحدہ کے احکام کو پورا کرنے کے لیے کی جارہی ہے۔

STATEMENT OF OBJECTS AND REASONS

This bill is being introduced with the object to curb, discourage and eventually eradicate the concept and phenomenon of Child marriages which are highly prevalent in Pakistan. In this modern day and age, we have the resources and the research which invariably proves that child marriage is harmful to both genders and especially girls who have hit puberty and are able to bear children. Furthermore, child marriages are in complete violation of the rights of children and international obligations and Goal ۵ of the United Nations Sustainable Development Goals focuses on gender equality and includes a target to end child marriage by ۲۰۳۰. Therefore, in order to restrain child marriages and protect the basic rights of children, it is expedient to enact a law for the Islamabad Capital Territory.

This bill seeks to achieve the above object.

Sd/- MS. SHARMILA SAHIBA FARUQUI HASHAAM, Member National Assembly

”مقاصد و وجوہات کا بیان:

یہ بل اس مقصد کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے کہ پاکستان میں بڑے پیمانے پر رائج چائلڈ میرج (کم عمری

کی شادیوں) کے رجحان کو روکا جائے، اس کی حوصلہ شکنی کی جائے اور بالآخر اس کا مکمل خاتمہ کیا جائے۔ آج کے جدید دور میں ہمارے پاس وہ وسائل اور تحقیقات موجود ہیں جو بلاشبہ یہ ثابت کرتی ہیں کہ کم عمری کی شادی دونوں جنسوں کے لیے نقصان دہ ہے، خصوصاً لڑکیوں کے لیے جو سن بلوغت کو پہنچ چکی ہوتی ہیں اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ مزید بر آں، کم عمری کی شادیاں بچوں کے حقوق، بین الاقوامی ذمہ داریوں اور اقوامِ متحدہ کے پائیدار ترقی کے اہداف (SDGs) کے ہدف نمبر ۵ کی سراسر خلاف ورزی ہیں۔ یہ ہدف صنفی مساوات پر زور دیتا ہے اور ۲۰۳۰ تک چائلڈ میرج کے خاتمے کا ہدف بھی شامل کرتا ہے۔ لہٰذا، کم عمری کی شادیوں کو روکنے اور بچوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ اسلام آباد کیپیٹل ٹیریٹری (ICT) کے لیے ایک قانون بنایا جائے۔ یہ بل مذکورہ بالا مقصد کے حصول کے لیے پیش کیا گیا ہے۔"

یہ بِل پاکستان پیپلز پارٹی کی ممبر قومی اسمبلی شرمیلا فاروقی نے پیش کیا تھا۔ اسلامی معاشرہ کو تباہ کرنے کے لیے یہ کرپشن زدہ خواتین ایسی غیر شرعی اور لبرل قانون سازی میں پیش پیش ہیں۔

مبینہ سوشل میڈیا ذرائع کے مطابق شرمیلا فاروقی کی شادی ۲۰۱۵ء میں ۳۷ برس کی عمر میں ہوئی۔ اب اگر کوئی شخص ایسی عورتوں پر تنقید کرے کہ یہ اتنا تاخیر سے شادی کیوں کرتی ہیں اور کوئی ممبر قومی اسمبلی مولانا صاحب بِل پیش کر کے قانون سازی کی تجویز دیں کہ شادی کی انتہائی عمر ۲۵ برس ہونی چاہیے اور دلیل یہ دیں کہ لیٹ شادیوں سے معاشرے میں زنا عام ہو رہا ہے اور ماؤں کو بچے پیدا کرنے میں مشکلات ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسی لبرل خواتین کا ردِ عمل کیا ہوگا؟ یہی نا کہ یہ مولوی کون ہوتے ہیں، ہماری زندگی کا فیصلہ کرنے والے۔ تو یہ لبرل خواتین کون ہوتی ہیں انسانوں کی فطری خواہشات پر اپنی سطحی خواہش اور سوچ مسلط کرنے

ا سوشل میڈیا مبینہ ذرائع کے مطابق شرمیلا فاروقی نے اپنے والد عثمان فاروقی کے ساتھ مل کر پاکستان اسٹیل ملز اور حکومت پاکستان کے ساتھ ۱۹۵ ارب روپے کا غبن کیا۔ ان کی والدہ انیسہ فاروقی نے گرفتار ہونے کے بعد نیب کے ساتھ پلی بارگین کا معاملہ بھی کیا۔ ۲۰۰۱ء میں ان خاتون کو سات سال کی سزا ہوئی اور ۲۱ برس تک کوئی عوامی عہدہ رکھنے کے لیے نااہل قرار دیا گیا لیکن اس کے باوجود ان کو عہدے دیے گئے۔ ۲۰۱۶ء میں سندھ ہائی کورٹ سے ایک عبوری حکم جاری کروایا گیا کہ نیب، الیکشن کمیشن یا دیگر ادارے ان کے خلاف مزید کوئی کاروائی نہیں کر سکتے۔ ۲۰۱۶ء میں ہی سندھ فنکار ویلفیئر ٹرسٹ اور دیگر تنظیموں نے شرمیلا فاروقی پر ثقافتی ترقیاتی فنڈز میں مبینہ کرپشن کے الزامات لگائے ہیں۔ کے۔ الیکٹرک نے بھی ان پر دس لاکھ روپے کے بجلی کے بل واجب الادا ہونے کا الزام لگایا ہے۔

والیاں؟ یہ لبرل خواتین شادی کریں یا نہ کریں یا آخر عمر میں کریں یہ ان کا ذاتی مسئلہ ہے۔ تو یہ بھی ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے کہ وہ بلوغت کے بعد جب چاہے شادی کرے۔

جب شادی کی کم از کم عمر کی حد مقرر ہو سکتی ہے تو اسی دلیل اور لاجک سے زیادہ سے زیادہ عمر کی حد بھی مقرر ہو سکتی ہے۔ بچہ پیدا کرنے کی صرف مینوفیکچرنگ ڈیٹ قانون سے اناونس نہ کریں بلکہ اس کی ایکسپائری ڈیٹ پر بھی قانون سازی کریں کہ فلاں عمر تک ہر عورت کی شادی ہونی چاہیے اور ہر شادی شدہ جوڑے کے لیے فلاں عمر تک بچہ پیدا کرنا بھی لازمی قرار دیں۔

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ معاشرے میں چھوٹی عمر پر بعض معاملات میں قانون سازی ہوتی ہے جیسے ڈرائیونگ لائسنس کے حصول کے لیے عمر کی حد متعین ہے کہ اس سے پہلے ڈرائیونگ لائسنس نہیں بن سکتا، یہ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ عمر کی حد وہاں مقرر ہوتی ہے جہاں اس سے دوسروں کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو۔ مثلاً کوئی چھوٹی عمر کا لڑکا گاڑی چلائے گا تو ایکسیڈینٹ کر دے گا لہذا ڈرائیونگ لائسنس کے لیے عمر کی حد متعین ہونی چاہیے، آپ مقرر کر دیں۔

لیکن کسی نے بدکاری اور زنا سے بچنے کے لیے اور عفت کی زندگی گزارنے کے لیے شادی کرنی ہے تو آپ اسے قانوناً کیوں روک رہے ہیں؟ اگر کوئی لڑکا یا لڑکی ٹین ایج میں یعنی ۱۸ برس سے کم عمری میں جنسی خواہش کی تکمیل کی ضرورت محسوس کرے جیسا کہ عموماً بلوغت کے بعد بچے اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو وہ کیا کریں گے؟ کیا اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنا ان کا بنیادی انسانی حق نہیں ہے؟ جس سے یہ لبرل خواتین انہیں بذریعہ قانونی جبر محروم کرنا چاہ رہی ہیں۔ غیر مسلم ممالک میں تو لڑکا لڑکی زنا کر لیں گے، بوائے فرینڈ اور گرل فرینڈ رکھ لیں گے، مسلم ممالک میں مسلمان بچے کیا کریں گے؟ یہاں بھی آپ یہی چاہتے ہیں کہ حلال راستہ بند کر کے حرام راستے پر چلنے کے لیے لوگوں کو مجبور کریں اور فحاشی عام کریں؟ یا تو آپ یہ دعوی کریں کہ اٹھارہ برس سے پہلے کسی لڑکے لڑکی کو جنسی خواہش نہیں ہوتی۔ لیکن اگر آپ ہی کی میڈیکل ریسرچ یہ ثابت کر رہی ہو کہ بلوغت کے فوراً بعد لڑکا اور لڑکی جنسی خواہش نہ صرف محسوس کرتے ہیں بلکہ وہ اپنے عروج پر ہوتی ہے تو وہ اپنی یہ خواہش شادی کے سوا کیونکر پوری کریں گے؟

پھر گاڑی چلانا ہر انسان کی ضرورت نہیں ہے، وہ پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کر سکتا ہے، ڈرائیور بھرتی کر سکتا ہے، لیکن جنسی جبلت ایک شخص کی بنیادی ضروریات میں سے ہے، اسے پوری کرنے کا کوئی متبادل راستہ بھی نہیں ہے۔ قانون سازی کرنی ہے تو ۱۸ برس سے کم عمری میں زنا پر قانون سازی کریں، کوئی آپ کو منع نہیں

کرے گا۔ زنا کو تو آپ نے رضامندی کے ساتھ ہر عمر میں جائز کیا ہوا ہے اور نکاح پر قانونی پابندیاں لگا رہے ہیں۔ دراصل یہ حیلے بہانوں کے ذریعے سوسائٹی میں زنا کو بڑھاوا دینا چاہتے ہیں۔ یہ لبرل خواتین عورتوں کے حقوق کی جنگ نہیں لڑ رہیں جیسا کہ وہ کہتی ہیں بلکہ بیرونی آقاؤں سے فنڈ لینے کی جنگ لڑ رہی ہیں۔

کتاب و سنت میں شادی کی عمر

انسانی فطرت (Niger) کی دلیل بہت واضح اور پختہ ہے کہ شادی کی عمر بلوغت ہے۔ لڑکے کی بلوغت احتلام کا جاری ہونا ہے اور لڑکی کی بلوغت حیض کا جاری ہونا ہے۔ اس وقت انسان میں جنسی خواہش اپنے عروج کو پہنچ جاتی ہے۔ کوئی بھی صحت مند شخص اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اگر ۱۸ برس سے پہلے جنسی خواہش کو پورا کرنا درست نہ ہوتا تو فطرت اسے ۱۸ سال سے پہلے ظہور پذیر نہ کرتی۔

باقی رہا کم عمری کی شادی کا بے ضرر یا کامیاب ہونا تو اس حوالے سے ہمارے پاس ہزاروں سالوں پر مشتمل انسانی تاریخ کی گواہی موجود ہے کہ دنیا کے تمام کلچرز میں چھوٹی عمر کی شادیوں کا رواج رہا ہے اور وہ شادیاں صحت کے اعتبار سے بے ضرر اور کامیاب رہی ہیں۔

اسلام نے انہیں بنیادوں پر کم عمری کی شادی کی اجازت دی ہے۔ سورۃ الطلاق میں ان عورتوں کی عدت بیان کی ہے کہ جنہیں حیض نہ آیا ہو اور کہا ہے کہ ان کی عدت تین ماہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور سلف صالحین میں اس کی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں کہ ۱۸ برس سے کم عمری میں شادی ہوئی۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ سمیت تمام فقہاء و محدثین کا سرپرستوں کی اجازت سے چھوٹی عمر کی بچی کے نکاح کے جواز پر اتفاق ہے۔

فطرت (Niger) اور تاریخ کی گواہی کے باوجود انسان کی جنسی خواہش پر پابندی لگانا یا اس کے لیے جائز راستے کو بند کرنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔

جسمانی بلوغت کے بعد لڑکا اور لڑکی جنسی تعلق قائم کرنے اور حرام کا بچہ پیدا کر سکنے کی اہلیت رکھتے ہیں لہٰذا اسلام نے انہیں حلال تعلق قائم کرنے کی اجازت دے دی، تاکہ ان کے پاس زنا کے لیے کوئی بہانا نہ رہے، اس لیے ایسے شخص کو زنا کرنے پر اسلام سزا دیتا ہے۔ یہ دراصل خاندانی نظام کو توڑنے، نئی جان کو بغیر اس کی پرورش کا معاہدہ کیے پیدا کرنے اور معاشرے میں فساد برپا کرنے کی سزا ہے، لیکن اگر جسمانی بلوغت ہو جانے کے بعد اس کے جائز اور حلال راستے پر پابندی لگا دیں، پھر وہ حرام کا ارتکاب کرے تو مجرم کون ہو گا، فرد یا قانون ساز ادارے؟ ایسی صورت میں زنا کو جرم ڈکلیئر کرنے اور اس کی سزا دینے کی کیا معقولیت ہو گی؟

کم عمری کی شادی کا قانون اور تاخیری شادیاں

شادی کے حوالے سے ہمارے معاشرے کا مسئلہ کیا ہے؟ رپورٹس یہ بتلا رہی ہیں کہ ۳۵ برس کی عمر میں بھی شادیاں نہیں ہو رہی ہیں۔ سب اس پر چیخ رہے ہیں کہ بچوں کی شادیوں کی عمریں نکل رہی ہیں، جوانیوں کو داغ لگ رہے ہیں، بچے بچیاں بڑھاپے کی سرحدوں کو چھو رہے ہیں، بال سفید ہو رہے ہیں لیکن معاشرتی و معاشی مسائل شادیوں میں آڑے آ رہے ہیں۔ ہم سب اس معاشرے میں بیٹھے ہیں اور اسے دیکھ رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ جس معاشرے میں پہلے ہی تاخیر سے شادیاں ہو رہی ہوں تو وہاں کم عمری میں شادی کی ممانعت کی قانون سازی کس لیے کی جا رہی ہے؟ وہ ایک دو فی صد دیندار طبقے کے لیے؟ کہ وہ اپنے بچوں کی شادیاں وقت پر کیوں کر دیتے ہیں یا بلوغت کے بعد کیوں کر دیتے ہیں؟ کیا ان بچوں اور بچیوں کو بھی بے راہ روی پر ڈلنا ہمارا مقصود اور ایجنڈے کا حصہ بن چکا ہے؟

قانون میں لکھا ہے کہ گر ۱۸ برس سے زائد عمر کے مرد نے ۱۸ برس سے کم عمر کی لڑکی سے شادی کی مثلاً ۱۸ برس کے لڑکے نے ۱۷ برس کی لڑکی سے شادی کی تو اس لڑکے کو تین سال تک قید کی سزا ہو سکتی ہے جو کہ کم از کم دو سال تو لازماً ہو گی۔ عجیب تماشہ یہ ہے کہ قانون ۱۸ سال سے پہلے بچے اور بچی کو جسمانی طور پر نابالغ اور عقلی طور پر غیر میچور قرار دے کر نکاح سے منع کر رہا ہے، لیکن اگر کوئی اس عمر میں شادی کرتا ہے تو اسے سزا دینے کے لیے قانون اسے میچور قرار دیتا ہے۔

دوسری بات اگر بڑی عمر کا مرد ۱۸ سال سے چھوٹی عمر کی لڑکی سے شادی کرتا ہے تو وہ مجرم اور قابل سزا ہے، لیکن اگر کوئی بڑی عمر کی خاتون کسی ۱۸ سال سے چھوٹے لڑکے سے شادی کر لے تو قانون اس خاتون کے لیے کوئی سزا بیان نہیں کرتا ہے۔ یہ قانون پاس کرنے والوں کی عقل پر ماتم کرنے کو دل کرتا ہے کہ ایک ہی فعل مرد کے لیے قابل سزا جرم ہے لیکن عورت کے لیے قابل سزا جرم نہیں ہے۔

درست بات یہ ہے کہ ایسے پرسنل معاملات میں قانون کو پڑنا ہی نہیں چاہیے۔ دوسری بات کہ جسم اور فطرت کی گواہی کو قبول کیا جائے۔ یعنی لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جائیں تو انہیں شادی کی اجازت ہونی چاہیے۔

باقی رہی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی بات تو والدین اگر اپنے بچوں کی ذمہ داری لینے پر آمادہ ہوں تو شادی کی اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس طرح ان کی ٹین ایج کو گناہ کی زندگی سے بچایا جا سکتا ہے۔ وگرنہ نسلیں برباد ہوتی رہیں گی۔

نماز میں مختلف قراءات پڑھنے کا مسئلہ

ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی

اس میں شک نہیں کہ تمام متواتر قراءات (عشرہ) درست اور نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں، ان میں سے کوئی بھی قراءت کسی بھی مقام پر پڑھی جاسکتی ہے، نماز میں بھی اور نماز کے علاوہ بھی۔ بہت ساری احادیث میں اس کی وضاحت ہے، ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، يَقْرَأُ سُورَةَ الفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ، فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ، لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلاَةِ، فَتَصَبَّرْتُ حَتَّى سَلَّمَ، فَلَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ، فَقُلْتُ: مَنْ أَقْرَأَكَ هَذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ؟ قَالَ: أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: كَذَبْتَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَقْرَأَنِيهَا عَلَى غَيْرِ مَا قَرَأْتَ، فَانْطَلَقْتُ بِهِ أَقُودُهُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: إِنِّي سَمِعْتُ هَذَا يَقْرَأُ بِسُورَةِ الفُرْقَانِ عَلَى حُرُوفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَرْسِلْهُ، اقْرَأْ يَا هِشَامُ» فَقَرَأَ عَلَيْهِ القِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَذَلِكَ أُنْزِلَتْ»، ثُمَّ قَالَ: «اقْرَأْ يَا عُمَرُ» فَقَرَأْتُ القِرَاءَةَ الَّتِي أَقْرَأَنِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَذَلِكَ أُنْزِلَتْ إِنَّ هَذَا القُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ»[1]

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں، سیدنا ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو دوران نماز سورہ فرقان پڑھتے سنا۔ میں نے ان کی قراءت پر غور کیا تو وہ کئی ایسے حروف پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر

1 صحیح بخاری: ۴۹۹۲

حملہ کر دیتا لیکن میں نے صبر سے کام لیا۔ انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے ان کی چادر ان کے گلے میں ڈال کر کھینچا اور کہا: یہ سورت جو میں نے ابھی آپ کو پڑھتے سنی ہے، آپ کو کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے خود مجھے اسی طرح پڑھائی ہے۔ میں نے کہا: تم غلط کہتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہاری قراءت سے مختلف قرآءت سے پڑھائی ہے۔ بلآخر میں انہیں کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا اور عرض کی: میں نے ان کو سورہ فرقان ایسی قراءت میں پڑھتے سنا ہے جس کی آپ نے مجھے تعلیم نہیں دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو۔ پھر فرمایا: اے ہشام! پڑھ کر سناؤ۔" انہوں نے اسی قراءت کے مطابق پڑھا جو میں نے ان سے سنی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے"۔ پھر آپ نے فرمایا: "اے عمر! اب تم پڑھ کر سناؤ"۔ چنانچہ میں نے پڑھا جس طرح آپ نے مجھے تعلیم دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: "یہ اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ قرآن کریم سات قراءت میں نازل ہوا ہے۔ لہذا جو قراءت تمہیں آسان لگے اس کے مطابق قرآن پڑھو۔"

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ، فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّي، فَقَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ، ثُمَّ دَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوَى قَرَاءَةِ صَاحِبِهِ، فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلَاةَ دَخَلْنَا جَمِيعًا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: إِنَّ هَذَا قَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ، وَدَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ، فَأَمَرَهُمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَرَآ، فَحَسَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَأْنَهُمَا، فَسَقَطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ، وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِي، ضَرَبَ فِي صَدْرِي، فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَرَقًا، فَقَالَ لِي: يَا أُبَيُّ أُرْسِلَ إِلَيَّ أَنِ اقْرَأِ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ، فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلَى أُمَّتِي، فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّانِيَةَ اقْرَأْهُ عَلَى حَرْفَيْنِ، فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلَى أُمَّتِي، فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّالِثَةَ اقْرَأْهُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مَسْأَلَةٌ تَسْأَلُنِيهَا، فَقُلْتُ: اللهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي، اللهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِي، وَأَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَيَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ، حَتَّى إِبْرَاهِيمُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [1].

---

1 صحیح مسلم: ۸۲۰

"میں مسجد میں تھا کہ ایک آدمی آیا اور نماز پڑھنے لگا۔ اس نے اس طرح قراءت کی کہ میں نے اس کا انکار کیا۔ پھر دوسرا آدمی آیا، اس نے پہلے والے آدمی سے بھی مختلف قراءت کی، جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے عرض کی کہ اس شخص نے ایسی قراءت کی کہ میں نے اس کا انکار کر دیا، یہ شخص آیا تو اس نے پہلے والے سے بھی مختلف قراءت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں پڑھنے کا حکم دیا، ان دونوں نے قراءت کی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں کی قراءت کی تحسین فرمائی تو میرے دل میں آپ ﷺ کی تکذیب (جھٹلانے) کا داعیہ اس زور سے پیدا ہوا کہ اس قدر جاہلیت میں بھی نہیں تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر طاری ہونے والی کیفیت کو محسوس کیا تو میرے سینے میں مارا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور میں ایسے ہو گیا کہ گویا میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس حکم بھیجا گیا کہ میں قرآن مجید کو ایک حرف (قراءت) پر پڑھوں، تو میں نے درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمایئے، تو مجھے کہا گیا کہ میں اسے دو حروف ((قراءات)) پر پڑھوں، میں نے پھر عرض کی کہ میری امت کے لیے آسانی فرمایئے۔ تو میرے پاس تیسری بار جواب بھیجا کہ اسے سات حروف پر پڑھوں، نیز آپ ﷺ کے لئے ہر جواب کے بدلے جو میں نے دیا ایک دعا ہے جو آپ ﷺ مجھ سے مانگیں۔ میں نے عرض کی: اے میرے اللہ! میری امت کو بخش دے۔ اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لئے موخر کر لی ہے جس دن تمام مخلوق حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف راغب ہوں گے۔"

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ الْخَطَأُ أَنْ يُقْرَأَ بَعْضُهُ فِي بَعْضٍ، وَلَكِنِ الْخَطَأُ أَنْ تُلْحِقُوا بِهِ مَا لَيْسَ مِنْهُ[1].

"غلطی یہ نہیں ہے کہ اس (کلام) کے کچھ حصے ایک دوسرے میں پڑھ لیے جائیں، بلکہ غلطی یہ ہے کہ تم اس میں وہ چیز شامل کر دو جو اس کا حصہ نہیں ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ متواتر قراءات رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور صحابہ کرام عام حالت میں اور نمازوں میں مختلف قراءات پڑھا کرتے تھے، مذکورہ واقعات میں رسول اللہ ﷺ نے مختلف قراءات کرنے والوں کی نماز کو درست قرار دیا ہے۔

---

١ المعجم الكبير للطبراني (٩/ ١٣٨)، رقم: ٨٦٨٣

باقی رہا یہ مسئلہ کہ نماز کی مختلف رکعات میں، یا ایک ہی رکعت میں مختلف قراءات میں تلاوت کی جا سکتی ہے؟ تو اس مسئلہ میں اہل علم کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے

مالکی فقہا[1] اور امام ابن تیمیہ کی رائے کے مطابق نماز کی مختلف رکعات میں، یا ایک ہی رکعت میں مختلف قراءات میں تلاوت کی جا سکتی ہے، اس لیے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت شدہ ہے۔ امام ابن العربی اپنی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

إذَا ثَبَتَتْ الْقِرَاءَاتُ، وَتَقَيَّدَتْ الْحُرُوفُ فَلَيْسَ يَلْزَمُ أَحَدًا أَنْ يَقْرَأَ بِقِرَاءَةِ شَخْصٍ وَاحِدٍ، كَنَافِعٍ مِثْلًا، أَوْ عَاصِمٍ؛ بَلْ يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَقْرَأَ الْفَاتِحَةَ فَيَتْلُو حُرُوفَهَا عَلَى ثَلَاثِ قِرَاءَاتٍ مُخْتَلِفَاتٍ؛ لِأَنَّ الْكُلَّ قُرْآنٌ[2].

"جب تمام قراءات ثابت ہیں اور ان کے حروف طے شدہ ہیں، تو کسی شخص پہ لازم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی ایک ہی قاری مثلاً نافع یا عاصم کی قراءات میں تلاوت کرے۔ بلکہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ فاتحہ کی تلاوت کرتے ہوئے اس کے حروف کو تین مختلف قراءات میں تلاوت کرے، اس لیے کہ یہ سب کی سب قرآن ہیں۔"

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے: سوال کیا گیا ایسے شخص کے متعلق جو لوگوں کو امامت کراتے ہوئے ابو عمرو کی قراءت کرتا ہے، اگر وہ ابو عمرو کی قراءت کے ساتھ ساتھ امام ورش یا امام نافع کی قراءت بھی کر لے تو کیا وہ گناہ گار ہو گا، یا اس کی نماز میں نقص ہو گا یا اسے وہ نماز لوٹانا پڑھے گی؟، امام صاحب نے جواب دیتے ہوئے لکھا:

يَجُوزُ أَنْ يَقْرَأَ بَعْضَ الْقُرْآنِ بِحَرْفِ أَبِي عَمْرٍو وَبَعْضَهُ بِحَرْفِ نَافِعٍ وَسَوَاءٌ كَانَ ذَلِكَ فِي رَكْعَةٍ أَوْ رَكْعَتَيْنِ وَسَوَاءٌ كَانَ خَارِجَ الصَّلَاةِ أَوْ دَاخِلَهَا[3].

" قاری کے لیے جائز ہے کہ وہ ایک ہی تلاوت میں بعض حروف امام ابو عمرو، بعض حروف نافع کی

---

1 مالکیہ کے قول کے لیے ملاحظہ فرمائیں : بلغة السالک لأقرب المسالک ، للصاوی : ۴۳۷/۱، مغنی المحتاج الی معرفة معانی ألفاظ المنهاج ، الخطيب الشربينی :۱۵۳/۱

2 أحكام القرآن ۶۱۳/۲

3 فتاوی ابن تیمیة: ۲۲ /۴۴۵

قراءت سے پڑھے، خواہ ایک رکعت کی قراءت میں ایسا کرے یا دو رکعات میں الگ الگ قراءت کرے، نماز میں پڑھے یا نماز کے علاوہ۔"

دوسری رائے

ایسا کرنا جائز ہے بشرطیکہ دوسری قراءت پہلی قراءت سے جوڑ کر نہ پڑھے، فقہاے شافعہ نے اس رائے کو اختیار کیا ہے[1]۔ امام نووی نے لکھا ہے:

وإذا قرأ بقراءة من السبع استحب أن يتم القراءة بهأ فلو قرأ بعض الآيات بها وبعضها بغيرها من السبع جاز بشرط أن لا يكون ما قرأه بالثانية مرتبطا بالأولى[2].

"جب قاری قراءت سبعہ میں سے کوئی قراءت کرے تو مستحب یہ ہے کہ مکمل قراءت اسی روایت میں کرے، اگر وہ کچھ آیات ایک قراءت کے مطابق کرے اور کچھ آیات دوسری قراءت میں کرتا ہے تو یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ دوسری قراءت کو پہلی کے ساتھ جوڑ کر نہ پڑھے۔"

قراءت کے معروف امام ابن الجزری لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْحَبْرُ الْعَلَّامَةُ أَبُو زَكَرِيَّا النَّوَوِيُّ فِي كِتَابِهِ التِّبْيَانِ: وَإِذَا ابْتَدَأَ الْقَارِئُ بِقِرَاءَةِ شَخْصٍ مِنَ السَّبْعَةِ فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَزَالَ عَلَى تِلْكَ الْقِرَاءَةِ مَا دَامَ لِلْكَلَامِ ارْتِبَاطٌ، فَإِذَا انْقَضَى ارْتِبَاطُهُ فَلَهُ أَنْ يَقْرَأَ بِقِرَاءَةِ آخَرَ مِنَ السَّبْعَةِ وَالْأَوْلَى دَوَامُهُ عَلَى تِلْكَ الْقِرَاءَةِ فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ[3].

"علامہ ابو زکریا النووی اپنی کتاب التبیان میں لکھتے ہیں: جب قاری قراء سبع میں سے کسی قاری کی قراءت شروع کرے تو وہ اسی قراءت پر رہے جب تک وہ مسلسل پڑھ رہا ہو۔ جب اس کا تسلسل ٹوٹ جائے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ قراء سبع میں سے کسی دوسرے قاری کی قراءت پڑھ لے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک ہی روایت کے مطابق قراءت کرے۔"

---

۱ ملاحظہ فرمائیں: أسنى المطالب في شرح روض الطالب (۱ / ۶۳)، الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع (۱/ ۱۰۵)، مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج (۱ / ۱۵۳).

۲ المجموع شرح المهذب: ۳ / ۳۹۲

۳ النشر في القراءات العشر: ۱ / ۱۸

ابن الجزریؒ نے اس مسئلے میں اسی موقف کو ترجیح دی ہے۔[1]

تیسری رائے

اہل علم میں ایک مذہب اس سے منع کا بھی ہے، جیسا کہ امام ابن الجزری فرماتے ہیں:

وَلِذَلِكَ مَنَعَ بَعْضُ الْأَئِمَّةِ تَرْكِيبَ الْقِرَاءَاتِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ وَخَطَّأَ الْقَارِئَ بِهَا فِي السُّنَّةِ وَالْفَرْضِ، قَالَ الْإِمَامُ أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ السَّخَاوِيُّ فِي كِتَابِهِ (جَمَالِ الْقُرَّاءِ): وَخَلْطُ هَذِهِ الْقِرَاءَاتِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ خَطَأٌ[2].

”اور اسی طرح بعض ائمہ نے قراءات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے منع کیا ہے، اور سنت اور فرض نماز میں انہیں خلط ملط کرنے سے بھی منع کیا ہے۔ امام ابو الحسن علی بن محمد سخاوی اپنی کتاب جمال القرآء میں فرماتے ہیں: ان قراءات کو ایک دوسرے سے خلط ملط کر کے پڑھنا غلط ہے۔ ظاہر ایسا ہے حقیقت اللہ بہتر جانتا ہے۔“

درست رائے

موقف یہ ہے کہ تنہا نماز پڑھنے اور امامت کرانے والے میں فرق کیا جائے، مثلاً تنہا نماز پڑھنے والا امام نووی اور ابن الجزری رحمہا اللہ کی بیان کردہ شرط کے ساتھ قراءتوں کو ایک نماز میں جمع کر سکتا ہے۔ لیکن لوگوں کی امامت کرانے والے شخص کے لیے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے، کیونکہ اس کا یہ عمل کئی نمازیوں کے درمیان فتنے اور اختلاف کا سبب بن سکتا ہے۔ بلکہ امام کو ایسی قراءت میں تلاوت کرنا بھی مناسب نہیں جو لوگوں میں معروف اور معمول نہیں ہے، کیونکہ اس سے بھی فتنہ اور انتشار پیدا کر سکتا ہے۔ اس حوالے سے سعودی عرب کے کبار علماء کی فتویٰ کمیٹی سے سوال ہوا۔

سوال: کیا نماز میں قرآن مجید کی تلاوت ورش عن نافع کی روایت سے جائز ہے، حالانکہ ہمارے ہاں حفص عن عاصم کی روایت متداول ہے؟

جواب: ورش عن نافع کی روایت سے قراءت درست اور علمائے قراءت کے نزدیک معتبر ہے، لیکن جہاں اس روایت کی عادت نہیں بلکہ وہاں کسی اور روایت جیسے کہ حفص عن عاصم کی روایت کی عادت ہے، اگر وہاں

---

۱ ملاحظہ فرمائیں: النشر فی القراءات العشر: ۱/۱۹

۲ النشر فی القراءات العشر: ۱/۱۸

امام ورش سے قراءت کرے تو مقتدیوں کے دلوں میں تشویش اور الجھن پیدا ہو سکتی ہے، وہاں ورش سے قراءت ترک کر دی جائے۔ البتہ اگر کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لیے ورش کی روایت سے قراءت کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں[1]۔

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ نماز میں قراءات عشرہ صحیحہ میں سے کسی بھی قراءت میں پڑھنا جائز ہے، لیکن جہاں اس سے لوگوں میں فتنہ و تشویش پیدا ہونے کا ڈر ہو وہاں پرہیز بہتر ہے۔

قراءات کو خلط ملط کرنے کی صورتیں

قراءات کو خلط ملط کرنے کی دو صورتیں ہیں:

① آیت کو ایک قراءت میں پڑھنا، اگلی آیت کو دوسری قراءت میں پڑھنا، یا ایک آیت کو پہلے ایک قراءت میں پڑھنا پھر دوسری قراءت میں جیسا کہ کانفرنسز میں قراء کرام پڑھتے ہیں۔

② ایک ہی آیت کے کچھ الفاظ ایک قراءت میں اور کچھ الفاظ کو دوسری قراءت کے مطابق پڑھنا۔

پہلی صورت علماء کی مشہور رائے کے مطابق جائز ہے، لیکن دوسری صورت جائز نہیں ہے خصوصاً ایسے کلمات کو مختلف قراءات میں پڑھنا جن کا معنی ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہو حرام ہے، مثلاً: اگر کوئی شخص آیت 'فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ' کو دونوں الفاظ ('آدم' اور 'کلمات') کو رفع کے ساتھ پڑھے، یا دونوں کو نصب کے ساتھ، مگر 'آدم' کی رفع ابن کثیر کی قراءت سے لے اور 'کلمات' کی رفع غیر ابن کثیر کی قراءت سے لے، تو یہ ناجائز ہو گا۔ اسی طرح آیت: ﴿وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ کو تشدید اور رفع دونوں کے ساتھ پڑھنا یا اس کا الٹ کرنا بھی اسی قبیل سے ہے، اسی طرح کی وہ قراءتیں جو عربی زبان کے قواعد کے خلاف ہوں اور لغت میں درست نہ ہوں ان کا پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔

البتہ جن صورتوں میں قراءات بدلنے سے معنی میں خرابی پیدا نہیں ہوتی تو وہاں ایسا کرنا جائز ہو گا، کیونکہ تمام قراءات اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، جنہیں روح الامین نے سید المرسلینؐ کے قلب اطہر پر نازل کیا، تاکہ امت پر تخفیف ہو اور اس ملت کے ماننے والوں پر آسانی ہو۔ اگر ہم ان پر ہر روایت کو الگ الگ پڑھنے کو لازم کر دیں، تو ان کے لیے ایک ہی قراءت کو سمجھنا بھی مشکل ہو جائے گا، اور تخفیف کا جو مقصد تھا، وہ الٹا سختی اور مشقت میں تبدیل ہو جائے گا۔

---

1 فتاوى اللجنة الدائمة: ٤ / ٢٦، رقم السؤال: ٧٣٣٩

امام پر یہ شرعاًپابندی نہیں کہ وہ اپنے علاقے میں معروف قراءت کے مطابق نماز میں پڑھے یانماز میں ایک ہی قراءت کے مطابق تلاوت کرے، ہاں فتنے کے ڈر سے اس سے بچنا بہتر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فتنے کو قتل سے بھی زیادہ خطرناک قرار دیا ہے[1]۔ اسی لیے بعض حنفی اور حنبلی فقہاء نے نماز میں اپنے علاقے میں معروف قراءات کے خلاف پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے[2]۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ بعض لوگ اپنی جہالت اور ناواقفیت کے سبب مسجد اور جماعت سے متنفر نہ ہو جائیں[3]۔

نماز قراءات شاذہ کی تلاوت

مذکورہ بلا بحث قراءات متواترہ میں پڑھنے کے حوالے سے ہے، یعنی نماز اور غیر نماز میں قراءات متواترہ میں سے ایک قراءت کو دوسری متواتر قراءت کے ساتھ ملا کر پڑھا جا سکتا ہے، باقی رہا قراءات شاذہ کا مسئلہ تو تعلیم و تعلم کے لیے ان کی تلاوت جائز ہے، لیکن انہیں قرآن سمجھ کر پڑھنا درست نہیں ہے، کیونکہ قرآن صرف وہ ہے جس پر امت کا اجماع ہے اور وہ قراءات متواترہ ہیں۔ نماز میں قراءت شاذہ کے ساتھ قراءت کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ قرآن نہیں ہیں اور جو چیز قرآن نہیں ہے اسے نماز میں پرھنا جائز نہیں۔

نماز میں غیر قرآن کی تلاوت نماز میں جان بوجھ کر گفتگو کرنے کی طرح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ[4].

”بلاشبہ نماز میں لوگوں کی بات کرنا درست نہیں ہے، اس میں صرف تسبیح، تکبیر اور قراءت قرآن ہوتی ہے۔“

لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ نماز میں صرف متواتر قراءات کی تلاوت کی جائے۔

---

۱ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ [البقرة: ۲۱۷] ”فتنہ قتل سے بھی بڑا ہے“۔

۲ حنفی فقہاء کی رائے کے لیے دیکھیے: الدر المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار، الحصکفی: ۷۴- حنبلی فقہاء کی رائے کے لیے دیکھیے: الفروع الإبن مفلح: ۱۸۵/۲، المبدع فی شرح المقنع الإبن مفلح: ۳۹۳/۱، الاقناع فی فقه الإمام أحمد بن حنبل، لموسیٰ بن أحمد بن موسیٰ بن سالم الحجاوی المقدسی: ۱۲۸/۱، دار المعرفة بیروت

۳ کشاف القناع علی متن الاقناع، منصور بن یونس البهوتی: ۳۷۴/۱، دار الکتب العلمیة

۴ صحیح مسلم: ۵۳۷

رسولِ اکرم ﷺ کی چار بیٹیاں

(شیعہ کی معتبر کتب سے ثبوت)

درس: ابو الحسن مفتی مبشر احمد ربانی رحمۃ اللہ علیہ
مرتب: ابو تراب عبد اللہ مرتضیٰ الحسینی

چند سال بیشتر شیعہ ذاکر آصف رضا علوی مالہ وماعلیہ نے اپنی تقریر میں رسول اللہ ﷺ کی شادی اور آغاز وحی کی تاریخ کو بنیاد بنا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی تین بیٹیوں زینب، رقیہ اور ام کلثوم کا انکار کر دیا اور کہا کہ وہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پہلے خاوندوں کی اولاد تھیں، چونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی گود میں پرورش پائی تھی اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو گئیں۔ جب یہ ویڈیو سوشل میڈیا پر وائرل ہوئی تو شیعہ تو شیعہ اہل سنت کے کچے ذہنوں نے حساب کتاب کرنا شروع کر دیا۔ جب جمع و تفریق سے بات نہ بنی تو وہ بھی شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے لگے۔ اس وقت حضرت الشیخ مبشر احمد ربانی نور اللہ مرقدہ نے اس کے جواب میں ایک ویڈیو کلپ ریکارڈ کروایا جس میں اہل تشیع کی قدیم اور معتبر کتب سے ثابت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں۔ اسی طرح شیعہ کی فقہی کتب سے ثابت کیا کہ چھوٹی عمر میں شادی ہو سکتی ہے، اس لیے اگر نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں چھوٹی عمروں میں کر دی تھیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد عبداللہ مرتضی الحسینی نے اس وائس ریکارڈ کو تحریری شکل دی اور حوالوں کی تحقیق و تخریج کا کام کیا، اللہ تعالیٰ دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ مضمون کے آخر پر ادارہ محدث کے رکن عبدالرحمن عزیز نے مزید اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی شادی اور نبوت کی تاریخوں کے ذریعے اس مسئلہ میں الجھاؤ پیدا کرنے والوں کی غلطی واضح کی اور اس کا حل پیش کیا۔ دونوں مضامین کو پڑھ کر اس مسئلہ میں کچھ ابہام باقی نہیں رہتا۔ [ادارہ محدث]

ان الحمد للہ نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم، اما بعد!

پچھلے دنوں ایک ذاکر (آصف رضا علوی) نے اپنی تقریر میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کے حوالے سے

بات کرتے ہوئے کہا کہ "جب اللہ کے نبی ﷺ کی شادی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تو آپ کی عمر تیس (۳۰) سال تھی اور پھر س کے بعد تین سال تک اولاد نہیں ہوئی۔ تینتیس (۳۳) سال گزرنے کے بعد نبی ﷺ کے ہاں پہلی اولاد ہوئی۔ اپنی ناکام ریاضی (Mathematics) سے حساب نکالتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی بڑی تین صاحب زادیوں سیّدہ زینب، رقیہؓ اور ام کلثومؓ کو رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی تینتیس (۳۳) سال کی عمر تک اولاد نہیں ہوئی، اس کے بعد بیٹیاں پیدا ہوئیں اور بعثت (یعنی ۴۰ سال عمر) سے پہلے ان کے نکاح بھی ہو گئے۔ یہ محض سات سال بنتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ سات سالوں کے اندر اندر تین بیٹیاں پیدا بھی ہو جائیں، ان کی شادی اور رخصتی بھی ہو جائے؟ اس لیے درست بات یہی ہے کہ یہ سیدہ خدیجہ کے پہلے خاوندوں سے بیٹیاں ہیں، جو کہ رسول اللہ ﷺ کی گود میں پرورش پانے کی وجہ سے آپ سے منسوب کر دی گئیں۔

شادی کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر

پہلی بات تو یہ بنیاد ہی غلط ہے کہ شادی کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر تیس (۳۰) سال تھی۔ اہل سنت اور اہل حدیث کی کتب میں تو بڑی تفصیل سے موجود ہے کہ شادی کے وقت نبی کریم ﷺ کی عمر پچیس (۲۵) سال تھی۔ لیکن آج میں صرف شیعہ کی کتب کے حوالے سے بات کروں گا۔

یہ میرے ہاتھ میں شیعہ کی بڑی مشہور ترین کتاب "تاریخ یعقوبی" ہے اس کی دوسری جلد کا صفحہ ۱۴ پر عنوان ہے: تزويج خديجة بنت خويلد "خدیجہ بنت خویلدؓ کی شادی کا بیان" اور اس میں لکھتا ہے:

وتزوج رسول الله ﷺ خديجة بنت خويلد وهو خمس وعشرون سنة وقيل تزوجها وله ثلاثون سنة.

"رسولِ اکرم ﷺ کی خدیجہ بنت خویلد کے ساتھ نکاح کے وقت عمر پچیس (۲۵) برس تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تیس (۳۰) برس تھی۔"

عربی کا ادنی سا طالب علم بھی جانتا ہے کہ قیل لفظ سے جو بات کی جاتی ہے وہ کمزور بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ پہلے اس نے توثیق والی بات کا تذکرہ کیا جو پچیس (۲۵) برس تھی۔

اگر آپ کے بقول یہ تسلیم کر لیا جائے کہ نبی کریم ﷺ کی شادی تیس برس کی عمر میں ہوئی، تینتیس (۳۳) برس کی عمر میں پہلی بیٹی پیدا ہوئی تو اعلانِ نبوت سے قبل اس کی عمر تقریباً سات سال بنتی ہے، تو جس فقہ

(جعفری) سے تمہارا تعلق ہے اسے ہی دیکھ لیجئے، اس میں چھ سال کی بچی کا نکاح شرعاً درست اور جائز ہے۔

فقہ جعفری نکاح کی عمر

فقہ جعفری کی رو سے بچی کا پیدا ہوتے ہی نکاح کرنا درست اور جائز ہے اور یہ بات شیعہ کی معتبر کتاب "اصول کافی" کا دوسرا حصہ "الفروع من الکافی" میں کتاب النکاح کے صفحہ نمبر (۳۹۸) اور (۴۰۰) میں موجود ہے کہ دو سال کی عمر میں بھی بچی کی شادی کرنا جائز ہے۔ مزید فقہ جعفری کی کتب میں رخصتی کی عمر آٹھ اور نو سال کے قریب ہے۔ خمینی کی کتاب "تحریر الوسیلہ" جلد دوم کے صفحہ ۲۴۱ پر دودھ پیتی بچی کا نکاح کرنا بھی جائز ہے۔ صفحہ ۲۴۱ پر اس نے مسئلہ نمبر ۱۲ کے تحت لکھا ہے:

"رخصتی کے بعد مرد اور عورت کے ملاپ کے لیے نو سال کی عمر مکمل ہونی چاہیے، لیکن دودھ پیتی بچی کے ساتھ مرد (استمتاع) کرسکتا ہے اس کے ساتھ لمس اور چھونا کرسکتا ہے بلکہ اپنی شہوت اس بچی کی رانوں کے ساتھ بھی پوری کرسکتا ہے۔"

بلکہ تمہارے امام خمینی نے دو تین سال کی بچی کے ساتھ عملاً متعہ بھی کیا۔ جیسا کہ "للہ ثم لتاریخ" شیعہ کی بڑی معروف کتاب ہے اس کتاب کے صفحہ نمبر ۳۶ پر خمینی کا تین سالہ بچی کے ساتھ متعہ کرنے کا بھی تذکرہ ہے۔ اگر آپ کے مذہب میں تین سالہ بچی کے ساتھ متعہ ہوسکتا ہے تو آٹھ اور نو سالہ بچی کا نکاح کیوں نہیں ہوسکتا؟ اعتراض وہ کرے جس کی فقہ میں یہ مسئلہ حرام کی نوعیت پر ہو یا ناجائز ہو، تمہارے ہاں نو سالہ کی رخصتی ہوسکتی ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں کا تو ابولہب کے بیٹوں کے ساتھ صرف نکاح ہوا تھا رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ جب سورۃ ﴿تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ﴾ نازل ہوئی تو انہوں نے طلاق دے دی۔ اس کے بعد نو اور دس سال کی عمر میں نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں کا نکاح ہوا۔

چوتھی صدی ہجری کا بڑا مشہور شیعہ عالم ابو علی محمد بن ہمام کاتب الاسقافی نے اپنی کتاب منتخب الانواریۃ کے صفحہ نمبر ۴۸ پر رسول اللہ ﷺ کی اولاد کا تذکرہ کیا، پھر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کرتے ہوئے صفحہ نمبر ۵۱ پر ہے لکھا ہے کہ جس وقت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تب ان کی عمر گیارہ برس تھی۔ اگر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ برس کی عمر میں اولاد کا ہونا آپ کے ہاں مسلمہ ہے تو رسول اللہ ﷺ کا اپنی دوسری بیٹیوں کی شادیاں نو اور دس سال کی عمر میں کرنا کون سا عقلاً بعید ہے۔ دراصل یہ لوگ اپنی کتب سے بھی بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔

بنات رسول کا انکار کرنے والا پہلا بد بخت

سب سے پہلے جس شخص نے نبی کریم ﷺ کی چار بیٹیوں کا انکار کیا وہ شیعہ مذہب کا فاسد المذہب ابو القاسم علی بن احمد بن مدینی ہے۔ یہ چوتھی صدی ہجری کا بد بخت شیعہ ہے۔ اس نے الاستغاثة فی بدع الثلاثة کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس میں سب سے پہلے اس نے دعوی کیا کہ زینب، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن نبی پاک ﷺ کی بیٹیاں نہیں ہیں (نعوذ باللہ)۔ اس کا عقیدہ تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی ربیبہ بیٹیاں تھیں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے، اسی لیے ان کو بنات نبی ﷺ کے نام سے یاد کیا جاتا رہا، لیکن یہ شخص شیعہ کے اکابر علماء کے ہاں بھی فاسد المذہب اور بے دین آدمی تھا۔ اس فاسد المذہب شخص سے پہلے کسی نے بھی نبی اکرم ﷺ کی بڑی بیٹیوں کا انکار نہیں کیا۔

عباس قمی نے اپنی کتاب منتی کے صفحہ ۲۹ پر اس کے بارے میں لکھا ہے:

"ابو القاسم کوفی کا آخر عمر میں مذہب خراب ہو چکا تھا اور اس نے کئی ایک فساد پر مبنی کتابیں لکھیں جن میں سے اس کی ایک کتاب کا نام الاستغاثہ ہے، اس میں اس نے سب سے پہلے رسولِ اکرم ﷺ کی بیٹیوں کا انکار کیا ہے۔"

عبد اللہ مامقانی شیعہ کے رجال کا بڑا معروف عالم ہے اس نے بھی اپنی ایک کتاب میں ذکر کیا ہے کہ یہ دعویٰ کیا کرتا تھا کہ اس کا تعلق آل ابی طالب سے ہے آخر عمر میں یہ غالی ہو چکا تھا اور اس کا مذہب بگڑ چکا تھا۔

شیعہ کتب میں رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیوں کا تذکرہ

اس سے پہلے اہل سنۃ، اہل الحدیث اور شیعہ حضرات کی بھی بڑی معتبر کتب میں رسولِ اکرم ﷺ کی چار بیٹیوں کا ہی تذکرہ موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

فقہ جعفری کی کتب میں چوتھی صدی ہجری تک یہ بات اتفاقی تھی کہ نبی اکرم ﷺ کی سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تین بیٹیاں اعلانِ نبوت سے پہلے اور ایک بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بعد میں پیدا ہوئیں۔

فقہ جعفری کی رجال کی کتب میں سے عبد اللہ مامقانی کی کتاب ''تنقیح المقال فی احوال الرجال'' طبع نجف کے صفحہ ۶۶ پر لکھا ہے:

ان کتب الفريقين مشهورة لانها ولدت للنبی صلی الله عليه و سلم أربع بنات زينب و أم كلثوم وفاطمة ورقية وبناته ادركن الاسلام وهاجرن معه واتبعنه.

”بے شک اہل سنت کی کتب اور اہل تشیع کی کتب اس بات پر شاہد ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ہاں چار بیٹیاں پیدا ہوئیں: زینب، ام کلثوم، فاطمہ اور رقیہ، سب نے اسلام پایا، نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور آپ کی اتباع کی۔“

شیعہ کی معروف تین کتب میں سے ایک کتاب ”قرب الاسناد“ شیخ خلیل ابو العباس عبد اللہ بن جعفر کی مرتب کردہ ہے، اس کے صفحہ نمبر ۹ پر باسند صحیح اس نے اپنے امام محمد باقی سے یہ بات نقل کی ہے کہ

ولد رسول الله صلى الله عليه و سلم من خديجة سلام الله عليها القاسم والطاهر وأم كلثوم ورقية وفاطمة وزينب.

”جعفر بن محمد اپنے باپ (محمد باقر جو شیعہ حضرات کے امام معصوم ہیں اور حضرت سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں علی زین العابدین کے بیٹے ہیں) سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا:
رسول اللہ ﷺ کی سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے قاسم، طاہر، ام کلثوم، رقیہ، فاطمہ اور زینب پیدا ہوئیں۔“

اہل تشیع کی ایک اور معتبر کتاب ”منتخب الانوار“ ہے، اس کے صفحہ نمبر ۳۸ پر بھی شیعہ حضرات کے اصول کے مطابق باسند صحیح رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیوں اور ان کے خاوندوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

ولد رسول الله صلى الله عليه و سلم من خديجة من الذكور: عبد الله وهو أول مولد ولد له، مات رضيعا. والطيب والطاهر وماتا صغيرين. وقاسم وبه يكنى وعاش حتى مشى. وولد خديجة من البنات: زينب وهي أكبر من ولده ثم رقية ثم أم كلثوم ثم فاطمة رضى الله عنهن وهي أصغرهن.

”رسول اللہ کا سیّدہ خدیجہ سے پہلا بچہ عبد اللہ پیدا ہوا جو مدت رضاعت ہی میں وفات پا گیا، پھر طیب اور طاہر پیدا ہوئے، یہ دونوں بھی چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے، پھر قاسم جن کی وجہ سے آپ ﷺ کی کنیت ابو القاسم ہوئی یہ اتنے بڑے ہوئے کہ چلنے لگے۔ اور (سیّدہ) خدیجہ سے بیٹیوں میں سب سے بڑی زینب پھر رقیہ، پھر ام کلثوم اور پھر فاطمہ پیدا ہوئیں رضی اللہ عنہن جو سب سے چھوٹی تھیں۔“

شیعہ حضرات کے ہاں وہ روایت قابل قبول سمجھی جاتی ہے جو بارہ ائمہ کو ماننے والا ثقہ راوی امام معصوم تک پہنچا دے۔ یہ بات امام باقرؒ اور جعفر صادقؒ دونوں سے منقول ہے۔ ان کے دونوں امام جو ان کے نزدیک معصوم عن الخطا ہیں نے رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیوں کا تذکرہ کیا ہے۔

جس طرح ہمارے ہاں کتب حدیث میں سب سے زیادہ مقام صحیح بخاری شریف کا ہے اسی طرح شیعہ

حضرات کے ہاں محمد بن یعقوب الکلینی کی "اصولِ کافی" سب سے معتبر سمجھی جاتی ہے اس کی جلد اوّل صفحہ ۵۱۰ پر باب التواریخ میں اس نے رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی تو آپ بیس سے کچھ سال اوپر کے تھے۔ مزید لکھتا ہے:

فولد له منها قبل مبعثه(ص) القاسم ورقية وزينب وام كلثوم ، وولد له بعد المبعث الطيب والطاهر وفاطمة.

"رسول اللہ ﷺ کے ہاں بعثت سے پہلے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے قاسم رقیہ اور ام کلثوم پیدا ہوئیں اور بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئے۔"

شیخ صدوق نے اپنی کتاب "الخصال" کی جلد دوم صفحہ ۱۸۶ میں، "تذکرۃ المعصومین کی جلد ۶ صفحہ ۱۳ پر رسول اللہ ﷺ کی چاروں بیٹیوں کا ذکر ہے۔ مزید ان کی کتاب "تحفۃ العوام" جو انہوں نے عوام کے لیے کتاب لکھی تھی اس کے صفحہ نمبر ۱۱۶ پر رسول پاک ﷺ کی بیٹیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

اللهم صل على رقية بنت نبي ولعن ما اذا نبيك فيها ، اللهم صل على أم كلثوم بنت نبيك ولعن ما اذا نبيك فيها.

"اے اللہ تو رقیہ بنت نبی ﷺ پر رحمت کر اور جو اس کے ساتھ تیرے نبی کو اذیت دے اس پر لعنت فرما۔ اے اللہ! ام کلثوم بنت نبی ﷺ پر رحمت کر اور جو اس کے ساتھ تیرے نبی کو اذیت دے اس پر لعنت فرما۔"

تو کیا نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں کا انکار کرنا نبی کریم ﷺ کو اذیت دینا نہیں ہے؟

اسی طرح شیخ صدوق کی کتاب "امالی" کی جلد نمبر ۶۸ کے صفحہ نمبر ۶۲ پر رسولِ اکرم ﷺ کی بیٹی زینب اور سیّدہ فاطمہ کا تذکرہ ہے۔ منتہی المقال کے صفحہ ۳۴۴ پر رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کا ذکر ہے۔ باقر مجلسی کی کتاب "حیاۃ القلوب" کی جلد ۲ صفحہ ۷۱۸ پر، عباس قمی کی کتاب "منتہی الاعمال" کی جلد ۱، صفحہ ۱۰۸ پر، اسی طرح نہج البلاغہ جو شیعہ کی سب سے معتبر کتاب سمجھی جاتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال پر مشتمل سمجھی جاتی ہے، اس میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بات کرتے ہوئے کہا: اے عثمان! تجھ سے پہلے جو دو خلیفہ (ابو بکر و عمر) گزرے ہیں ان کو رسول اللہ ﷺ کی قرابت سے وہ حصہ نہیں ملا جو آپ کو ملا ہے، آپ کو رسول اللہ ﷺ کی دامادی کا شرف حاصل ہے (کیونکہ رقیہ اور ام کلثوم یکے بعد دیگرے آپ ﷺ نے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دی تھیں)

شیخ مفید کی کتاب "الارشاد" صفحہ ۲۳ پر، علی بن عیسیٰ الاربلی کی "کشف الغمہ" کی جلد ۲ صفحہ ۶۰ پر، نعمت اللہ الجزائری کی کتاب "الانوار النعمانیہ" جلد ۱، صفحہ ۲۳ اور ۳۶۱ پر، محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی کی "منتخب التواریخ" کی جلد ۱، صفحہ ۲۳ پر، اقول باقر مجلسی (اصول کافی کی شرح ہے) میں مزید "العافی" میں رسول اللہ ﷺ کی چاروں بیٹیوں کا تذکرہ ہے۔

میں یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ وہ ذاکر جو رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کا انکار کرتے ہوئے بدزبانی کرتے ہیں۔ آپ اہل حدیث کی کتب نہیں مانتے تو کم از کم آپ کے ائمہ جنہیں آپ معصوم من الخطاء سمجھتے ہیں، انہوں نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں۔ ہماری بات نہیں مانتے تو کم از کم اپنے گھر کی ہی تسلیم کر لو۔ یہ بات اہل سنت اور شیعہ کی اتفاقی ہے کہ ابو القاسم کوفی سے پہلے شیعہ کی کتب میں بھی رسولِ پاک ﷺ کی چار بیٹیوں کا تذکرہ ہے۔

قرآن میں بھی اللہ کریم نے فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ يُدۡنِينَ عَلَيۡهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ﴾

[الأحزاب: ٥٩]

"اے نبی! اپنی بیویوں سے اور بیٹیوں سے اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیں جب گھر سے باہر نکلا کریں تو اپنی اوڑھنیاں اوڑھ کر اپنے اوپر ڈال لیا کریں۔"

اس آیت کریمہ میں "بنات" کا لفظ "بنت" کی جمع ہے جس کا معنی بیٹیاں ہے اور جمع عربی زبان میں کم از کم تین سے شروع ہوتی ہے۔ قرآن کی نص قطعی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علی الاقل رسول اللہ ﷺ کی تین بیٹیاں تھیں اور احادیث صحیحہ اور تاریخ صحیح نے اس بات کا تعین کر دیا ہے کہ رسولِ پاک ﷺ کی چار بیٹیاں (زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ) تھیں۔

نبی ﷺ کی کسی ایک بیٹی کا انکار کرنا نبی کریم ﷺ کو اذیت دینا ہے اور ایسا شخص دنیا میں بھی ملعون ہے اور آخرت میں بھی لعنت کا حق دار ہو گا۔

میں حکومت پاکستان سے بھی یہ بات کہنا چاہتا ہوں آپ لوگ ہمیں تو محبت اور امن و آشتی کا درس دیتے ہو، ماہ محرم میں امن قائم کرنے کے لیے اس سے قبل امن کمیٹیاں تشکیل دیتے ہو، تو ان بدزبانوں کو لگام دینا بھی آپ کا فرض ہے۔ اگر آپ لوگ واقعی محب رسول ﷺ اور صحابہ واہل بیت رضی اللہ عنہم کا احترام کرنے والے

ہیں تو ایسے شخص کو لگام ڈالیں جو رسول اللہ ﷺ کی اولاد کا انکار کرتا ہے، آپ کی ازواج کو دشنام دیتا ہے اور اصحاب رسول کے متعلق غلط زبان استعمال کرتا ہے۔ زمام اقتدار آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر آپ کے دور اقتدار میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب واہل بیت کی عزت وعصمت محفوظ نہیں ہے تو کل قیامت کے دن آپ شافع محشر امام الانبیاء کے سامنے کیا جواب دو گے ؟ کس منہ سے سفارش کے لیے جاؤ گے ؟

اہل حدیثو! اللہ نے آپ کو سچا اور اونچا دین دیا ہے، جو خالص ہے، جس کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی، اپنے نبی ﷺ، صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی محبت اور ان کا سچا ساتھ نصیب کرے اور رسولِ پاک ﷺ کی سفارش عطا کرے جو گناہ گار اہل توحید کے لیے ہے اہل شرک وبدعت کے لیے نہیں۔ آمین

بناتِ رسول ﷺ کے منکرین کی بنیادی غلطی

عبد الرحمن عزیز

شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون سے یہ تو واضح ہو گیا ہے کہ اہل سنت اور قدیم اہل تشیع کے ہاں بالاتفاق رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں اور یہی درست اور صحیح ہے۔ لیکن جو رسول اللہ ﷺ کی شادی، بیٹیوں کی پیدائش، ان کی شادیوں اور ابولہب کے بیٹوں کی طرف سے انہیں طلاق دینے کے معاملے کو تاریخ سے یا سالوں کا حساب لگا کر سمجھنا چاہتے ہیں لیکن حساب کسی طریقے سے فٹ نہیں بیٹھتا تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ وہ چند ایک بنیادی غلطیاں کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے حساب میں خرابی درآئی، جس کی وجہ سے نتیجہ غلط نکلا، تو کچھ نے انہیں بنات رسول ماننے سے انکار کر دیا اور جو لوگ معتبر کتابوں کی صحیح ترین روایات کی وجہ سے زبان سے انکار نہ کر سکے لیکن ان کے اذہان بھی مشکوک ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی شادی معروف روایت کے مطابق پچیس سال کی عمر میں ہوئی۔ بعض روایات کے مطابق سیدہ زینب کی پیدائش کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر تیس برس تھی۔ [ابن عبد البر، الاستیعاب، رقم: ۱۴۱۲، (۱۸۵۳،۱۸۳۹/۴) ابن اثیر، اسد الغابہ، ۱۴۰۹ رقم: ۱۴۰۹ (۱۳۰/۶)]

دوسری بیٹی رقیہ کی پیدائش کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر پنتیس برس تھی، اور ام کلثوم کی پیدائش پر آپ ﷺ سنتیس برس کے تھے۔ ان کے حوالے سے لوگوں کے اشکالات درج ذیل ہیں:

سیدہ زینب کی شادی نبوت سے پہلے ہو گئی تھی، جبکہ اس وقت ان کی عمر دس سال بنتی ہے جو کہ ناممکن ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ سیدہ زینب کی شادی نبوت سے پہلے ہوئی تھی۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ نبوت کے بعد آپ ﷺ اپنی بیٹی ایک کافر شخص کو کیونکر دے سکتے ہیں، تو یہ ناممکن نہیں ہے کیونکہ کافروں کے ساتھ نکاح کی حرمت سورۃ البقرۃ اور سورۃ الممتحنہ میں ہوئی جو بالاتفاق مدنی سورتیں ہیں۔

دوسری بات اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سیدہ زینب کی شادی ابو العاص سے بعثت سے پہلے ہوئی تھی تو بھی اس میں کوئی اشکار نہیں، کیونکہ شیعہ کتب میں واضح طور پر لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ کے ہاں جب حسن پیدا ہوئے تو ان کی عمر گیارہ سال تھی، یعنی دس سال کی عمر میں شادی ہوئی اور گیارہ سال کی عمر میں بیٹا پیدا ہو گیا۔ اہل سنت کے ہاں بھی رسول اللہ ﷺ نے جب سیدہ عائشہ سے نکاح کیا تو ان کی عمر سات سال اور رخصتی کے وقت نو برس تھی۔

سیدہ رقیہؓ اور ام کلثومؓ کے حوالے سے انہیں اشکال یہ ہے کہ ان کے نکاح ابو لہب کے بیٹوں سے قبل از بعث ہو چکے تھے اور بعث کے بعد انہوں نے طلاق دے دی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ پانچ اور تین سال کی عمر کی بچیوں کے نکاح کر دیئے جائیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ ان کے نکاح نبوت سے پہلے ہوئے تھے۔ لہذا ایک مفروضے کو اختلافی مسئلے کی بنیاد بنانا کسی صورت درست نہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے چونکہ نبوت کے بعد طلاق ہو گئی تھی تو واضح ہے کہ نکاح نبوت سے پہلے ہو گا۔ یہ بات دو وجوہات سے غلط ہے:

اس بات نے دراصل اس غلط سوچ سے جنم لیا کہ ادھر غار حرا میں پہلی وحی آئی، ادھر مکہ پہنچ کر آپ نے اعلان نبوت کیا اور شام کو ابو لہب نے بیٹوں کو کہہ کر طلاق دلوا دی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ محمد ﷺ کو نبوت چالیس برس کی عمر میں ملی، تین سال تک آپ ﷺ نے دعوت کا کام خفیہ طریقے سے کیا، نبوت کے چوتھے سال آپ ﷺ نے اعلانیہ دعوت دی، تب ابو لہب نے آپ کی گستاخی ہے جس کے جواب میں سورۃ لہب نازل ہوئی۔ اس کے بعد ابو لہب نے باقاعدہ دشمنی کا رویہ اختیار کیا۔ تب کہیں جا کر طلاق ہوئی۔ یعنی طلاق کے بعد ان کی عمر دس اور آٹھ سال تھیں۔ یہ صرف نکاح ہوئے تھے، رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

تیسری بات یہ کہ عربوں میں چھوٹی عمروں میں نکاح کر دیئے جاتے تھے، لیکن رخصتی جوان ہونے پر کی جاتی تھی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ سے نکاح پہلے کیا اور رخصتی بعد میں ہوئی۔

لہٰذا تاریخ اور عمر میں جمع تفریق کرنے والے خاموش دعوت کے تین سال بھول جاتے ہیں، جس کے سبب ان کا حساب کتاب مشکوک ہو جاتا ہے۔

مولانا اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' میں

فکری تضادات و تناقضات

پروفیسر محمد رفیق

تفسیر ''تدبر قرآن'' کا ایک افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں بہت سے واضح اور کھلے علمی و فکری تضادات (Contradictions) پائے جاتے ہیں جو کہ اس کے منصف کی کج اندیشی اور ذہنی الجھاؤ کی غمازی کرتے ہیں۔ وہ کسی بات کا ایک جگہ اثبات و اقرار کرتے ہیں تو دوسری جگہ اسی کی نفی اور انکار کر دیتے ہیں اور اس طرح ''دروغ گو را حافظہ نباشد'' کا مصداق ٹھہرتے ہیں۔ ذیل میں ان کے ایسے بکثرت تضادات و تناقضات میں سے کچھ مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ گویا ''مشتے از خروارے''

ا۔ کیا کوئی رسول کبھی قتل ہوا؟

''تدبر قرآن'' میں کہیں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ کسی رسول کا قتل ہونا ثابت نہیں ہے اور کہیں پر یہ لکھا ہوا ہے کہ رسول نہ صرف یہ کہ قتل ہو سکتا ہے بلکہ فی الواقع قتل ہوا بھی ہے۔ اس کھلے تضاد کو دیکھنے کے لیے ذیل کے حوالہ جات ملاحظہ کیجیے:

پہلے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ رسولوں میں سے کسی کا قتل ہونا ثابت نہیں ہے۔

① چنانچہ سورہ آل عمران (۳/۵۵) کی تفسیر میں لکھا ہے:

''رسولوں کی اس امتیازی خصوصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کو یہ مہلت نہیں دیتا کہ وہ ان کو قتل کر دیں۔ چنانچہ رسولوں میں سے کسی کا قتل ہونا ثابت نہیں[1]۔''

② مزید سورہ قٓ (۵۰/۱۴) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

''رسولوں میں سے کسی کا اس کی قوم کے ہاتھوں قتل ہونا ثابت نہیں ہے[2]۔''

---

۱ تدبر قرآن: ۲/۱۰۶

۲ تدبر قرآن: ۷/۵۴۲

پھر دوسرے مقامات پر اس کے بالکل برعکس یہ اقرار واعتراف کیا ہے کہ کسی رسول کا قتل ہونا نہ صرف یہ کہ ممکن ہے بلکہ کئی رسولوں کو بالفعل قتل بھی کیا گیا ہے۔

① چنانچہ سورہ آل عمران (۳/۱۴۴) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"پہلے یہ غلط فہمی دور فرمائی کہ محمد ﷺ کوئی مافوق بشر ہستی نہیں ہیں، وہ اللہ کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں۔ جس طرح پہلے رسول گزر چکے ہیں اس طرح ایک دن ان کو بھی بہر حال وفات پانا ہے اور اس کا بھی امکان ہے کہ وہ شہید کر دیے جائیں لیکن اللہ کے دین کو ہمیشہ باقی رہنا ہے[1]۔"

② مزید اسی مذکورہ آیت کی تفسیر کے تحت لکھا ہے کہ:

"مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں بہت سے رسول گزرے ہیں اسی طرح محمد ﷺ بھی اللہ کے ایک رسول ہیں، جس طرح کی آزمائشیں دوسرے رسولوں کو پیش آئیں اسی طرح کی آزمائشیں اور مصیبتیں انہیں بھی پیش آسکتی ہیں۔ جس طرح تمام رسولوں کو موت کے مرحلہ سے گزرنا پڑا انہیں بھی ایک دن وفات پانا ہے۔ ان کے رسول ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ وفات نہیں پائیں گے یا قتل نہیں ہو سکتے[2]۔"

③ پھر سورہ آل عمران (۳/۱۸۳) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"یہ عذر یہودیوں نے محض شرارت سے، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، گھڑا تھا۔ اس وجہ سے قرآن نے ان کے ذہن کو سامنے رکھ کر جواب دے دیا کہ ان سے کہہ دو کہ مجھ سے پہلے ایسے رسول آچکے ہیں جو نہایت واضح نشانیاں لے کر آئے اور وہ معجزہ بھی انہوں نے دکھایا جس کا تم نے ذکر کیا تو تم نے ان کو قتل کیوں کیا؟ تمہارا یہ فعل تو اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ تم اپنی اس بات میں بھی جھوٹے ہو۔ اگر تم کو یہ معجزہ دکھا بھی دیا جائے گا جب بھی تم اپنی اسی ضد پر اڑے رہو گے اور ایمان نہ لانے کا کوئی اور بہانہ تلاش کر لو گے[3]۔"

④ پھر سورہ المائدہ (۵/۷۰) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

---

۱ تدبر قرآن: ۲/۱۸۳

۲ تدبر قرآن: ۲/۱۸۵-۱۸۶

۳ تدبر قرآن: ۲/۲۲۰-۲۲۱

”اب یہ اس بات کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ کیوں ان اہل کتاب کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی دینی حیثیت نہیں ہے؟ فرمایا کہ ان سے جس کتاب و شریعت کی پابندی کا عہد لیا گیا تھا اور جس کی تجدید و یاد دہانی کے لیے اللہ نے یکے بعد دیگرے اپنے بہت سے رسول اور نبی بھی بھیجے، اس عہد کو انہوں نے توڑ دیا اور جو رسول اس کی تجدید اور یاد دہانی کے لیے آئے ان کی باتوں کو اپنی خواہشات کے خلاف پا کر یا تو ان کی تکذیب کر دی یا ان کو قتل کر دیا[1]۔“

صاحب ”تدبر قرآن“ کے اس واضح اور کھلے فکری تضاد کو دیکھنے کے بعد اصل حقیقت کی طرف آیئے۔ وہ یہ ہے کہ یہ امر قرآن کے نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ نبیوں کے علاوہ بعض رسولوں کو بھی قتل کیا گیا۔ اس کے لیے درج ذیل آیات دیکھ لیجیے۔

① سورہ آل عمران میں دوسرے رسولوں کی طرح حضرت محمد ﷺ کے لیے بھی وفات پانے یا قتل ہو جانے کی دونوں صورتوں کے امکان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ﴾ [آل عمران: ٣/ ١٤٤]

”اور محمد (ﷺ) تو بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے اور جو کوئی بھی الٹے پاؤں واپس چلا جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا۔“

② سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل سے فرمایا گیا کہ:

﴿ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ ﴾

[البقرة: ٢/ ٨٧]

”تو کیا جب کبھی کوئی رسول تمہارے پاس وہ چیز لے کر آیا جو تمہارے نفس کو پسند نہ آئی تو تم نے تکبر کی راہ اختیار کی۔ پھر بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو تم قتل کرتے تھے۔“

③ سورہ مائدہ میں ارشاد ہوا کہ:

﴿ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى

---

١ تدبر قرآن: ٢/ ٥٦٦

أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ﴿ [المائدة :٥/ ٧٠]

”بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کے پاس کئی رسول بھیجے۔ جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ چیز لایا جو ان کو پسند نہ آئی تو بعض کو وہ جھٹلاتے اور بعض کو قتل کر ڈالتے تھے۔“

④ سورہ آل عمران میں بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد ہوا کہ:

﴿ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٨٣﴾ ﴾

[آل عمران:٣/ ١٨٣]

”یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ پیش کرے جسے آگ کھا جائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس کئی رسول آئے، نشانیاں لے کر اور اس چیز کے ساتھ جسے تم کہہ رہے ہو، پھر تم نے ان کو قتل کیوں کیا؟ اگر تم سچے ہو۔“

اس مقام پر بنی اسرائیل کے بارے میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ کسی ایسے رسول پر ایمان نہ لائیں جو ان کے سامنے نیاز یا قربانی کو آسمانی آگ سے نہ جلا دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کا یہ جواب دیا ہے کہ اے نبی ﷺ ان سے کہہ دیں کہ اگر یہی بات ہے تو جو رسول اور پیغمبر ان کے پاس دلائل اور مذکورہ معجزہ بھی لاتے رہے، ان کی انہوں نے تکذیب کیوں کی تھی اور ان میں سے بعض کو قتل کیوں کیا تھا؟

قرآن مجید کی یہ واضح نصوص ہیں جن سے صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول بھی بعض اوقات اپنی قوم کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں۔ بالخصوص بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد ہوا کہ انہوں نے بہت سے رسولوں کو نہ صرف جھٹلایا تھا بلکہ ان کو قتل کر بھی ڈالا تھا۔

۲۔ کیا ابلیس شیطان مر چکا ہے؟

صاحب ”تدبر قرآن“ کے فکری تضادات میں ایک یہ تضاد بھی ہے کہ وہ کبھی تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ابلیس شیطان مر چکا ہے جس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ وہ آج بھی زندہ اور موجود ہے اور اسے قیامت تک کے لیے مہلت ملی ہوئی ہے کہ وہ اپنے وسوسوں اور فریب کاریوں کے ذریعے انسانوں کو گمراہ کرتا رہے۔ موصوف کے اس کھلے تضاد اور تناقص کو دیکھنے کے لیے ان کی کتاب کے

درج ذیل مقامات ملاحظہ کیجیے:

① انہوں نے سورہ البقرہ (۲/۳۴) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"شیطان کوئی مستقل مخلوق نہیں ہے۔ جنوں اور انسانوں میں سے جو لوگ خدا کی نافرمانی کی روش اختیار کرلیتے ہیں وہ لوگ ابلیس کی ذریت اور اس کے اولیاء میں شامل ہو جاتے ہیں[1]۔"

② دوسری جگہ سورہ الناس (۱۱۴) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"شیطان کوئی مستقل مخلوق نہیں ہے بلکہ جنوں اور انسانوں میں سے جو دلوں میں وسوسہ اندازی کا پیشہ اختیار کرلیں وہ شیطان بن جاتے ہیں۔ جس شیطان نے بابا آدمؑ کو دھوکا دیا، قرآن میں تصریح ہے کہ جنوں میں سے تھا جو لوگ اس کو ایک مستقل مخلوق اور زندہ ہستی سمجھتے ہیں ان کا خیال غلط ہے۔[2]"

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ صاحب "تدبر قرآن" کی رائے میں ابلیس شیطان نہ تو کوئی مستقل مخلوق ہے اور نہ اب زندہ ہے بلکہ عرصہ ہوا وہ مر چکا ہے۔ پھر اسی کتاب میں موصوف اس متفقہ اسلامی عقیدے کو بھی مانتے ہیں کہ ابلیس شیطان آج بھی زندہ موجود ہے اور اپنے وسوسوں کے ذریعے بنی نوع انسان کو گمراہ کرنے اور انہیں بہکانے میں لگا ہوا ہے۔

① چنانچہ انہوں نے سورہ طٰہٰ (۲۰/۱۲۰) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ابلیس استکبار اور حکم خداوندی کی نافرمانی کے باعث جنت سے راندہ ہو چکا ہے لیکن اس نے قیامت تک کے لیے آدمؑ اور اولاد آدمؑ پر اپنا چلتر آزمانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مہلت حاصل کرلی تھی[3]۔"

② پھر سورہ صٓ (۳۸/۷۹۔۸۱) کی تفسیر کے تحت لکھا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ کی اس لعنت سے ابلیس نے گمان کیا کہ شاید اس کی مہلت عمل ختم کی جارہی ہے اور اس کو انسان کے خلاف زور آزمائی کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ اس وجہ سے اس نے درخواست کی کہ اس کو اس دن تک کے لیے مہلت دی جائے جس دن لوگ اپنے اعمال کے حساب کے لیے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ مہلت دے دی[4]۔"

---

۱ تدبر قرآن: ۱، ص ۱۶۵

۲ تدبر قرآن: ۹/۶۷۷

۳ تدبر قرآن: ۵/۹۸

۴ تدبر قرآن: ۶/۵۵۰

③ پھر سورہ بنی اسرائیل (۱۷/۵۳) کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے:

"اس حقیقت کو یاد رکھیں کہ شیطان جو انسان کا کھلا دشمن ہے، ہر وقت اس گھات میں لگا ہوا ہے کہ کب کوئی موقع ہاتھ آئے اور وہ وسوسہ اندازی کرکے سارے کام کو خراب کردے [1]۔"

④ پھر سورہ الزمر (۳۹/۳۱) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اس دنیا میں شیطان کو بھی مہلت ملی ہوئی ہے اس وجہ سے اس کا کام بھی جاری ہے [2]۔"

اس تفصیل سے صاحب "تدبر قرآن" کا یہ فکری تضاد کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ وہ کبھی تو ابلیس شیطان کو زندہ اور موجود مانتے ہیں اور کبھی اسے مردہ در گور قرار دے کر اس کی فاتحہ پڑھ لیتے ہیں۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۳۔ قرآن اور پانچ فرض نمازوں کے اوقات

"تفسیر تدبر قرآن" میں ایک فکری تضاد یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اس میں کبھی یہ کہا گیا ہے کہ قران میں پانچ وقت کی فرض نمازوں کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ہے اور اس کے لیے محض اشارات ملتے ہیں۔ مگر پھر اپنی اسی بات کی تردید کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ قران میں پانچ اوقات کی فرض نمازوں کا ذکر موجود ہے۔"

① اپنی پہلی بات کے حق میں سورہ النساء (۴/۱۰۳) کی تفسیر میں مذکور ہے کہ:

"اس آیت سے ایک تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اوقات کی پابندی اقامت صلوٰۃ کے شرائط میں سے ہے۔ دوسری بات یہ نکلتی ہے کہ نبی ﷺ نے اہل ایمان پر جو کچھ فرض کیا ہے وہ عین اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ فریضہ ہے۔ یہ بات اس طرح نکلتی ہے کہ نمازوں کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ اوقات کے اہتمام کے ساتھ فرض ہیں۔ درآنحالیکہ اوقات نماز تمام تر نبی ﷺ کے مقرر کردہ ہیں، قرآن میں ان کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کچھ اشارات ہیں [3]۔"

② پھر اسی بات کی خود ہی تردید کرتے ہوئے سورہ طٰہٰ (۲۰/۱۳۰) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

"اس آیت سے ان لوگوں کے خیال کی نہایت واضح طور پر تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ نمازوں کے اوقات قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔ قرآن میں صرف فرض نمازوں ہی کی نہیں، بلکہ اشراق اور تہجد

---

۱ تدبر قرآن: ۴/ ۵۱۱

۲ تدبر قرآن: ۶/ ۵۸۶

۳ تدبر قرآن: ۲/ ۳۷۳

کے اوقات بھی مذکور ہیں۔ نبی ﷺ نے انہی اوقات کو اپنے عمل سے منضبط کر کے ان کی حد بندی فرمادی۔ مختلف نمازوں کی شکلیں بھی معین فرمادیں اور یہ بھی بتادیا کہ ان میں سے کن نمازوں کی حیثیت فرض واجب کی ہے اور کن کی حیثیت نوافل کی۔ ظاہر ہے کہ ان تمام تفصیلات کا بتانا اور ہر نماز کی حدود واطراف کا معین کرنا نبی ﷺ کا کام تھا اس لیے کہ آپ ﷺ صرف قرآن کے سنادینے والے ہی نہیں بلکہ ان کے معلم بھی تھے[1]۔"

③ پھر سورہ بنی اسرائیل (۷۸/۱۷) کی تفسیر میں لکھا گیا ہے کہ:

"اس سے معلوم ہوا کہ دن رات میں پانچ نمازوں اور ان کے اوقات کا ذکر خود قرآن میں ہے۔ بلکہ آگے والی آیت سے معلوم ہوگا کہ تہجد اور اس کے وقت کا ذکر بھی کر قرآن میں ہے۔ اتنی واضح آیات کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قرآن میں پانچ وقت کی نمازوں کا کوئی ذکر نہیں ہے تو ایسے سر پھیرے لوگوں کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے[2]۔"

یعنی پہلے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن میں اوقات نماز کی کوئی صراحت نہیں، محض اشارات ملتے ہیں اور پھر اپنے اس دعوے کی خود ہی تردید کردی کہ دن رات میں پانچ نمازوں اور ان کے اوقات کا ذکر خود قرآن میں موجود ہے اور اس بات کا انکار صرف سر پھرے لوگ ہی کرسکتے ہیں۔

جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی

۴۔ فرقہ خوارج کی گواہی؟

یہ امر صاحب "تدبر قرآن" کے فکری تضادات میں سے ہے کہ انہوں نے سورۃ النور (۲/۲۴) کی تفسیر میں جہاں شادی شدہ زانی کے لیے حد رجم یعنی سنگساری کی سزا کا انکار کیا ہے، وہاں اپنے اس موقف کے حق میں اور اپنی تائید وحمایت میں خوارج کے گمراہ فرقے کو بطور شاہد عادل اور گواہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"چنانچہ خوارج اس نسخ یا تخصیص کو نہیں مانتے۔ وہ رجم کا انکار کرتے ہیں اور اس حد کو، جو آیت میں مذکور ہے، ہر قسم کے زانیوں کے لیے عام مانتے ہیں[3]۔"

---

۱ تدبر قرآن: ۵/ ۱۰۷
۲ تدبر قرآن: ۴/ ۵۳۰
۳ تدبر قرآن: ۵/ ۳۶۵

حالانکہ اس سے پہلے وہ اپنی کتاب "مبادی تدبر القرآن" میں خوارج کے اس گروہ کو ایک فتنہ قرار دے چکے ہیں، انہوں نے لکھا:

"قرآن فتنوں کو مٹانے کے لیے آیا تھا، فتنوں کو ابھارنے اور ان کو غذا دینے کے لیے نہیں آیا تھا، لیکن یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ ماضی میں بھی اور آج بھی جتنے فتنے اٹھے یا اٹھ رہے ہیں وہ سب قرآن ہی کے آڑ میں نمودار ہوئے۔ خوارج اپنے گمان کے مطابق قرآن مجید ہی کے سہارے ابھرے، باطنیوں کی تمام استدلالات کی بنیاد ان کے خیال میں قرآن مجید ہی پر ہے، بابیوں اور بہائیوں نے جو کچھ کہا، اپنے زعم کے مطابق قرآن ہی سے کہا، قادیانوں کی نبوت کی اساس، ان کے دعوے کے مطابق قرآن مجید ہی پر ہے اور چکڑالوی تو قرآن کے سوا کچھ بولتے ہی نہیں[1]۔"

ہم سمجھتے ہیں کہ کسی گروہ کو پہلے فتنہ قرار دینا اور پھر اپنے کسی موقف اور بیانیے کے حق میں گواہ اور "شاہد عادل" بنالینے کا مطلب یہ ہے کہ اب ان کے نظریات بھی خوارج والے ہیں، اور یقیناً ایسا ہی ہے۔

۵۔ بنی اسرائیل کے لیے سمندر میں راستہ کیسے بنا؟

تفسیر "تدبر قرآن" میں ایک فکری تضاد و تناقض یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اس میں کسی جگہ یہ لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے کے معجزے نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر سے راہ نکالی تھی لیکن پھر دوسری جگہ اس معجزے کا انکار کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ یہ کام محض ایک پوربی ہوا کے تصرف کے نتیجے میں ہوا تھا۔ جس نے بنی اسرائیل کی خاطر سمندر کے اندر سے گزرنے کے لیے (مدوجزر پیدا کرکے) خشک راستہ بنادیا تھا۔

پہلے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا معجزہ بیان کرتے ہوئے سورہ طٰہٰ (۲۰/ ۲۳) کی تفسیر کے تحت لکھا ہے کہ:

"خود قرآن میں عصا کے جو کرشمے مذکور ہیں ان کی عظمت ظاہر ہے۔ اسی عصا نے ان کے لیے سمندر سے راہ نکالی اور اسی سے انہوں نے ایک پہاڑی سے اکٹھے بارہ چشمے جاری کرلیے[2]۔"

اس کے علاوہ اسی سورہ طٰہٰ (۲۰/ ۷۷) کے الفاظ: ﴿فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ﴾ (ان کے لیے دریا میں ایک خشک راہ کھول لو) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

---

۱ مولانا امین احسن اصلاحی، "مبادی تدبر قرآن"، ص ۲۰۔۲۱، مطبوعہ ۱۹۷۱ء لاہور

۲ تدبر قرآن: ۵/ ۳۶

"بحر سے مراد یہاں بحر احمر کی شمالی خلیج ہے۔ ہدایت ہوئی کہ پوری جماعت کے ساتھ ساحل سمندر پر پہنچو اور اپنی لٹھیا سمندر پر مار کر اس کے اندر سے لوگوں کے لیے خشک راہ پیدا کرلو۔
یہ اسلوب بیان ظاہر کرتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے معجزے کے ذریعے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بخشا کہ تم اس کے اشارے سے سمندر کو حکم دوگے تو وہ تمہارے گزرنے کے لیے خشک راستہ نکال دے گا[1]۔"

پھر اسی صفحے پر اسی آیت کی تفسیر میں تورات کا حوالہ دے کر اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معجزہ پوربی ہوا کے تصرف سے ظہور میں آیا۔ اس سے خلیج کا پانی اس طرح دو حصوں میں منقسم ہوگیا کہ بنی اسرائیل کے گزرنے کے لیے خشک راستہ پیدا ہوگیا[2]۔"

اس طرح موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عصا کے کرشمے کا انکار کرتے ہوئے اسے محض ایک مشرقی ہوا کا تصرف قرار دے دیا۔ یہ کھلا تضاد نہیں تو کیا ہے؟ بلکہ اس سے بھی زیادہ سنگین بات یہ ہے کہ محرف شدہ تورات کے بیان کی تصدیق کرکے قرآن کے فرمان کی تکذیب کردی۔

٦۔ لفظ ''مدینون'' کے معنوں میں تضاد

تفسیر "تدبر قرآن" میں لفظ "مدینون" (مدنیین) کے معنوں میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔

سورہ الصافات (٣٧/٥٣) میں مشرکین کا یہ قول حکایۃً بیان ہوا ہے کہ:

﴿ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿٥٣﴾ ﴾

اس کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے اور یہ درست بھی ہے کہ:

"کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو ہم بدلہ پانے والے بنیں گے۔"

مزید اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو اپنے اعمال کی جزا و سزا بھگتنے کے لیے دوبارہ اٹھا جائیں گے[3]۔"

پھر سورہ الواقعہ (٥٦/٨٦۔٨٧) میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

---

١ تدبر قرآن:٥/٧١
٢ تدبر قرآن:٥/٧١
٣ تدبر قرآن:٦/٤٥٩۔٤٦٨

﴿ فَلَوۡ لَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ غَيۡرَ مَدِيۡنِيۡنَ ۙ۝۸۶ تَرۡجِعُوۡنَهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۸۷ ﴾

اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:

"پس کیوں نہیں، اگر تم غیر محکوم ہو، اس جان کو لوٹا لیتے اگر تم سچے ہو۔"

پھر اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

"فرمایا کہ اگر تم یہ گمان رکھتے ہو کہ تم کسی ایسے کے محکوم و مقہور نہیں جو تم کو پکڑ سکے اور سزا دے سکے تو اس جان کو لوٹا کیوں نہیں لیتے جس کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہمارا فرشتہ نکال لیتا ہے۔

"مدین" کے معنی محکوم اور مقہور (Under control) کے ہیں[1]۔"

اس جگہ صاحب "تدبر قرآن" کا تضاد دیکھیے کہ پہلی جگہ سورہ الصافات میں "مدینون" کا ترجمہ "بدلہ پانے والے" اور اس کی تفسیر جزا و سزا پانے والوں سے کی گئی تو یہ ترجمہ اور تفسیر بالکل درست تھی مگر جب دوسری جگہ وہی لفظ "مدینین" مجرور ہو کر استعمال ہوا تو اس کا پہلے سے مختلف ترجمہ "محکوم و مقہور" کر دیا اور اس سے یہ مراد لی کہ مخاطب عرب مشرکین یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ اللہ کے "محکوم و مقہور" (Under control) نہیں ہیں۔ حالانکہ عرب مشرکین کا یہ عقیدہ ہر گز نہیں تھا کہ زندگی اور موت کا اختیار اللہ کے پاس نہیں ہے[2]، وہ تو آخرت میں جزا و سزا کے منکر تھے۔ جس کی تردید [سورہ الواقعہ ۵۶/ ۸۶ میں] یہ فرما کر کی گئی کہ تم لوگ ضرور ایک دن اپنے اعمال کی جزا و سزا پانے والے بنو گے۔

۷۔ ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ کے معنیٰ میں تضاد

صاحب "تدبر قرآن" کے تضادات میں سے ایک تضاد یہ بھی ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ "يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ" (اے لوگو) کے خطابِ عام کو کبھی عام مانتے ہیں اور کبھی اس سے مخصوص مخاطبین مراد لے لیتے ہیں۔

① چنانچہ وہ درج ذیل آیات:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا ۝۱۷۴ ﴾ [النساء ٤/ ١٧٤]

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک حجت آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک نور مبین اتار دیا۔"

---

۱ تدبر قرآن: ۸/ ۱۸۱۔۱۸۶

۲ ملاحظہ فرمائیں: العنکبوت ۲۹/ ۱۹۔۲۰۔۶۱، لقمان ۳۱/ ۲۵

اس کے مخاطبین کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''اس آیت کا خطاب عام ہے جس میں مسلمان، اہل کتاب اور اہل عرب سب آگئے ہیں[1]۔''

④ پھر اس خطابِ عام کو عرب تک محدود کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ ﴾

[البقرة: ٢/ ٢١]

"اے لوگو! بندگی کرو اپنے اس خداوند کی جس نے تم کو بھی پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے گرزے ہیں تاکہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہو۔"

پھر اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"(اے لوگو!) سے خطاب اگرچہ عام ہے لیکن یہاں مخاطب جیسا کہ اوپر گزرا، خاص طور پر مشرکین عرب ہیں[2]۔"

③ پھر اسے عربوں کی ایک شاخ بنی اسماعیل تک مزید محدود کرتے ہوئے انہوں نے یہ لکھا ہے کہ:

"اس مجموعہ کی ابتدائی آیات (۲۱-۲۹) میں بنی اسماعیل کو نبی ﷺ کی دعوت قبول کرنے اور قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے[3]۔"

اس طرح صاحب تدبر قرآن کی یہ چابک دستی ملاحظہ ہو کہ پہلے تو انہوں نے ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ﴾ (اے لوگو!) کے عام مخاطبین کو محض مشرکین عرب کے ساتھ مخصوص اور محدود کر دیا۔ پھر کمال ہوشیاری سے ان مخاطبین کو مزید محدود و مخصوص کر کے صرف بنی اسماعیل کو اس خطاب کا مخاطب ٹھہرا دیا۔ یاللعجب!

اس طرح قرآن کی جو دعوت ساری انسانیت کے لیے تھی اسے پہلے مشرکین عرب تک اور پھر بنی اسماعیل تک محدود و مقصور کر دیا۔

واضح ہے کہ مخاطبین کا یہ تغیر وتبدل دراصل نتیجہ ہے "نظم قرآن" یا "نظام قرآن" کے اس خود ساختہ نظریے اور جعلی فلسفے کا جس کی روشنی میں یہ پوری تفسیر "تدبر قرآن" لکھی گئی ہے۔

---

۱ تدبر قرآن: ۲/ ۴۳۸

۲ تدبر قرآن: ۱/ ۱۳۶

۳ تدبر قرآن: ۱/ ۱۴۵

1875ء سے تا حال، برصغیر کے جملہ مکاتب فکر کی علمی میراث کے اِحیا کا عظیم الشان انسائیکلوپیڈیا

مجلس التحقیق الاسلامی کے **شعبہ رسائل و جرائد** کے زیرِ اہتمام

موسوعہ فہارس مجلاتِ علمیہ

Encyclopedia of Combined Index of Urdu RESEARCH JOURNALS

شعبہ ہٰذا کی 20 سالہ محنتِ شاقہ اور 25 سے زائد اہل علم و فن کی شبانہ روز کاوشوں کا مظہر

اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اور تحریکی حلقوں کے علمی جرائد کے ساتھ، HEC کے تمام تحقیقی جرنلز پر مشتمل

- 55 علمی جرائد کے 7435 شمارے
- 16 ہزار مصنفین
- ڈیڑھ لاکھ علمی مقالات
- 12 ہزار موضوعات کے تحت
- 21 جلدوں پر وسیع

زیر سرپرستی: ڈاکٹر حافظ عبد الرحمٰن مدنی | انتظام: ڈاکٹر حافظ انس مدنی، ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی | علمی نگرانی: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی | ترتیب و تدوین: محمد شاہد حنیف و 8 معاونین

خصائص

1 اُردو بلکہ دنیا کی کسی بھی زبان میں علمی و تحقیقی مضامین کی وسیع ترین فہرست index 2 برصغیر کے ممتاز اہل علم و دانش، اداروں، تحریکات اور یونیورسٹیوں کی تحقیقات محفوظ و مرتب 3 ہزاروں موضوعات پر اپنے اسلاف کی خدمات کو چند منٹوں میں یکجا کرنا اور استفادہ کرنا ممکن 4 مجلّات میں شائع شدہ مضامین پر مشتمل بیسیوں کتب کی تیاری اور علمی تحقیقات تک رسائی انتہائی آسان 5 بے جا تکرار کا خاتمہ، تشنہ موضوعات تک رسائی اور تحقیق کے معیار میں غیر معمولی بہتری اور ہم آہنگی 6 محدث لائبریری میں 21 جلدوں میں موجود اور تمام مجلّات کے تمام شمارہ جات دستیاب 7 دنیا بھر سے استفادہ کے لئے محدث ویب سائٹس میں 'خزینہ مراجع اسلامیہ' Center for Islamic Resources کی نئی ویب سائٹ کی تشکیل جہاں چار مزید فہارس پروجیکٹس سے بھی افادۂ عام ہوگا۔ 8 موسوعہ ہذا کی افادیت، ترتیب، منہج اور طریقہ استعمال پر جامع مقدمہ (نگرانِ علمی کے قلم سے) 9 رؤیتِ ہلال یا عائلی قوانین جیسے ہزاروں موضوعات پر تمام مکاتب فکر کے سینکڑوں مضامین کی فہرست چند لمحوں میں

موسوعہ میں شامل علمی مجلات کے تمام شمارے

- اشاعۃ السنۃ، امرتسر، 1878ء
- فکر و نظر، اسلام آباد، 1963ء
- محدث، دہلی، 1933ء
- ترجمان القرآن، لاہور، 1932ء
- محدث، لاہور، 1970ء
- معارف، اعظم گڑھ، 1916ء
- رحیق، لاہور، 1956ء
- برہان، دہلی، 1938ء
- ترجمان الحدیث، لاہور 1969ء
- الشریعۃ، گوجرانوالہ، 1989ء
- رُشد، لاہور 1994ء
- بینات، کراچی، 1962ء
- حرمین، جہلم 1991ء
- الحق، اکوڑہ خٹک، 1965ء
- ترجمان السنۃ 1989ء
- میثاق، لاہور، 1959ء
- مرقع قادیانیت، امرتسر 1907ء
- منہاج، لاہور، 1983ء
- وفاق المدارس، ملتان 2000ء
- فقہ اسلامی، کراچی، 2000ء

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol. 56 No. 4
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام و تفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار' انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں مخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۱۰۰ روپے
- زرِسالانہ ٦٠٠ روپے

Designing: AK 0321-4966404

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700